فہرست

لمعات: (کیا 14 اگست واقعی یومِ آزادی ہے؟)	ادارہ	3
عید مبارک (جشن نزول قرآن مجید)	ادارہ	5
توہم پرستانہ اسلام	غلام احمد پرویزؒ	6
قرآنی نظام	ادارہ	23
حقائق وعبر	ادارہ	34
اَیام اللہ	خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی	40
پہیلیاں	جاوید چودھری	44
شیطان کی مجلس شوریٰ	عطاء الحق قاسمی	47
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ	نذیر احمد غازی	50
قراردادِ مقاصد اور قرآن	محمد اکرم راٹھور	53

طلوعِ اسلام کا لٹریچر یہاں سے دستیاب ہے

نیچے درج کئے گئے کتب خانوں سے طلوع اسلام ٹرسٹ کی تمام کتب، دروس القرآن کی تمام جلدیں، اسلامی کتابیں اور لائبریری کے لئے تمام موضوعات پر ہمہ قسم کتب رعایتی نرخوں پر خریدنے کے لئے تشریف لائیں۔

1- **کلاسک بک سیلرز**، 42، دی مال (ریگل چوک)، لاہور۔	فون: 042-37312977، موبائل: 0300-4442226
2- **سانجھ بک سیلرز**، بک اسٹریٹ 46/2، مزنگ روڈ، لاہور۔	موبائل: 0333-4051741
3- **مسٹر بکس**، بک سیلرز، سپر مارکیٹ، اسلام آباد۔	فون: 051-2824805-2278843
4- **البلال بک ڈپو**، اردو بازار، کراچی۔	موبائل: 0344-2502141
5- **شہباز بک ایجنسی**، اردو بازار، کراچی۔	فون: 021-32632664
6- **مذہبی کتب خانہ**، اردو بازار، کراچی۔	موبائل: 0331-2716587
7- **شاہ زیب انٹر پرائزز**، اردو بازار، کراچی۔	فون: 021-32214259
8- **علمی کتاب گھر**، اردو بازار، کراچی۔	فون: 021-32628939
9- **مکتبہ دارالسلام**، اردو بازار، کراچی۔	فون: 021-32212269
10- **محمد سلیم، قرآن سینٹر**، اردو بازار، کراچی۔	فون: 021-32210770
11- **محمد علی، کارخانہ اسلامی کتب**، اردو بازار، کراچی۔	فون: 021-32631056

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ادارہ)

لمعات

کیا 14 اگست واقعی یومِ آزادی ہے؟

14 اگست کو عام طور پر یومِ آزادی کہا جاتا ہے' لیکن وہ درحقیقت یوم آزادی نہیں۔ 14 اگست 1947ء کو ہمیں آزادی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ آزادی حاصل کرنے کا موقعہ میسر آیا تھا۔ غیر منقسم ہندوستان میں' اس سے بہت پہلے سے تحریک آزادی چلی آ رہی تھی' لیکن (عام قوموں کی طرح) ان کا آزادی کا تصور (ہم سے) مختلف تھا۔ ان کے نزدیک کسی غیر قوم کی محکومیت سے نجات حاصل کر لینا' آزادی کہلاتا تھا۔ اس لئے جب 14 اگست 1947ء کو انگریزوں نے ہندوستان چھوڑ دیا تو ہندوؤں کو آزادی حاصل ہو گئی لیکن مسلمانوں (یا یوں کہئے کہ اسلام) کے نزدیک آزادی کا تصور اس سے مختلف تھا۔ اس کے نزدیک' انسانوں کی حکومت' خواہ وہ اپنی قوم کے افراد ہوں اور خواہ کسی غیر قوم کے' غلامی اور محکومی ہے۔ آزادی وہ ہے جس میں کسی انسان کی حکومت نہ ہو۔ حکومت صرف کتاب اللہ کی ہو۔ صدرِ اول میں جب حکمرانی صرف کتاب اللہ کی تھی تو مسلمانوں کو آزادی حاصل تھی۔ اس کے بعد جب اس کی جگہ انسانوں کی حکومت نے لے لی تو مسلمانوں کی آزادی ختم ہو گئی۔ اس چودہ سو سال میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوتی رہیں' لیکن قرآن کے معیار کے مطابق' نہ وہ حکومتیں آزاد تھیں' نہ ان میں بسنے والے مسلمان آزاد۔ آج بھی دنیا میں چالیس سے زیادہ ممالک میں مسلمانوں کی اپنی حکومتیں قائم ہیں' لیکن وہ سیکولر (غیر اسلامی) معیار کے مطابق آزاد ہیں۔ اسلامی معیار کے مطابق ان میں سے ایک بھی آزاد نہیں۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی میں بھی کتاب اللہ کی حکمرانی نہیں۔ ان کا آزاد ہونا تو ایک طرف' قرآن کے نزدیک خود ان کا اسلام بھی محلِ نظر ہے۔ کفر اور اسلام کے متعلق قرآن کا معیار یہ ہے کہ

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (5:44)-

جو کوئی کتاب اللہ کے مطابق حکم نہیں کرتا۔ تو وہی لوگ کافر ہیں۔

مَا اَنْزَلَ اللّٰہ (کتاب اللہ) کے مطابق حکومت قائم کرنا تو ایک طرف' آپ ذرا اس حقیقت پر غور فرمائیے کہ ہمارے ہاں احیاءِ اسلام کا اس قدر چرچا (بلکہ شور) ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔۔۔ اسلامی نظام۔ اسلامی قوانین۔ اسلامی شریعت' کی آوازیں چاروں طرف گونجتی ہیں لیکن آپ نے اس تمام ولولہ وطنطنہ' جوش وخروش میں' مندرجہ بالا آیت کو نہ کسی مسجد میں منقوش دیکھا ہو

گا نہ دارالعلوم میں نہ ایوانِ حکومت میں' نہ مجلسِ قانون ساز میں۔ نہ نظریاتی کونسل میں نہ مجلسِ شوریٰ میں............ نہ کسی خطیب کے خطبہ میں سنا ہوگا نہ کسی واعظ کے وعظ میں۔ پورے قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے اس آیت کو پڑھتے ہوئے یوں آگے بڑھ جائیں گے جس طرح ایکسپریس گاڑی چھوٹے سٹیشنوں کو چھوڑتی ہوئی سیدھی آگے نکل جاتی ہے۔ ہم دستورِ پاکستان میں یہ لکھ کر' کہ مملکت کا کوئی قانون کتاب وسنت کے خلاف نہیں ہوگا' مطمئن ہو کر بیٹھ گئے کہ ہم معیارِ خداوندی پر پورے اتر گئے ہیں لیکن ہم نے کسی قانون' کسی ضابطۂ کسی مسلک ومشرب' کسی عدالت کے فیصلہ (جس میں شرعی عدالت بھی شامل ہے) کو اس معیار پر پرکھا ہی نہیں کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق ہے یا نہیں۔ اس کے برعکس' اسلام کے نام پر جس قدر قوانین نافذ کئے گئے' ان میں بیشتر اس معیار پر پورے نہیں اترتے لیکن' اس کے باوجود' وہ سب اسلامی تصور کئے جاتے ہیں۔

ہم کہہ یہ رہے تھے کہ 14 اگست 1947ء کو ہمیں آزادی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ ہمیں آزادی حاصل کرنے کا ایک موقعہ میسر آیا تھا۔ یعنی ہم نے ایک خطہ زمین حاصل کیا تھا اس مقصد کے لئے کہ اس میں ہم قرآن کے مطابق حکومت قائم کر سکیں۔ ہم نے آزاد اس دن ہونا تھا جب یہاں قرآن کے مطابق حکومت قائم ہو جاتی' اور وہ آج تک قائم نہیں ہوئی۔ اس لئے ہم 14 اگست 1947ء کو (قرآنی معیار کے مطابق) یومِ آزادی کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ 14 اگست 1947ء کو ہم نے ایک قطعۂ اراضی حاصل کیا تھا کہ اس پر مسجد تعمیر کی جائے۔ جب تک اس پر مسجد تعمیر نہیں ہوگی' یہ کس طرح کہا جا سکے گا کہ ہم نے جس مقصد کے لئے وہ قطعۂ اراضی حاصل کیا تھا' وہ پورا ہو گیا ہے؟ ہم نے اس مملکت کا نام ''جمہوریہ اسلامیہ'' اس طرح رکھ لیا ہے جس طرح ہم اپنے بچوں کا نام' عبیدالرحمٰن اور محی الدین رکھ لیتے ہیں' حالانکہ وہ درحقیقت رحمٰن کے عبد ہوتے ہیں نہ دین کے محی (زندہ کرنے والے) اس قسم کے نام رکھنے والی مملکتوں کے متعلق وہی کہا جائے گا جو قرآن نے کہا ہے کہ: اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُم (12:40)۔۔۔ ''یہ چند نام ہیں جو تم نے یا تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ چھوڑے ہیں'' مَّآ اَنزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ (12:40)۔۔۔ ''خدا نے ان کے متعلق کوئی سند نازل نہیں کی'' وہ ان کے اسلامی ہونے کا سرٹیفکیٹ کیسے دے دیتا جب کہ اس کے لئے شرط یہ تھی کہ۔۔۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (12:40)۔ اس میں حکمرانی صرف کتاب اللہ کی ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ضرورتِ رشتہ

لڑکا عمر 25 سال' ایم بی اے پاس' اچھے عہدہ پر ملازم' لاہور میں ذاتی مکان اور ذمہ داریوں سے مبرا' کے لئے قرآنی فکر کی حامل' لڑکی مطلوب ہے۔ خواہش مند حضرات درج ذیل رابطہ نمبرز پر رابطہ فرما سکتے ہیں۔

فون نمبر: 042-35172139' موبائل: 0336-4182380

عید مبارک

جشن نزول قرآن مجید

پر

دلی ھدیه تبریک قبول فرمائیے

اے نوعِ انسانی!

تمہارے پاس تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے ایک ضابطۂ حیات آ گیا ہے جو ہر اس کشمکش کا علاج ہے جو تمہارے سینوں کو وقفِ اضطراب رکھتی ہے۔ جو قوم اس کی صداقتوں پر یقین رکھتی ہے یہ اس کی راہنمائی، زندگی کی منزلِ مقصود کی طرف کرتا ہے اور اسے سامانِ نشوونما سے بہرہ یاب کر دیتا ہے۔

کہو کہ یہ خدا کے فضل ورحمت سے عطا ہوا ہے۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ایسے ضابطۂ حیات کے ملنے پر جشن مسرت مناؤ۔ یہ اس تمام ساز وسامان سے بہتر ہے جسے تم جمع کرتے ہو۔ (القرآن الکریم، یونس 10، آیت 58)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام احمد پرویزؒ

توہم پرستانہ اسلام

لندن سے ایک صاحبِ فکر وشعور، قرآنی رفیق کا گرامی نامہ موصول ہوا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ اس کا جواب طلوع اسلام میں شائع کر دیا جائے تاکہ اس سے دیگر قارئین بھی مستفید ہوسکیں۔ میں ان کی اس تجویز سے متفق ہوں۔ ان کا مکتوبِ گرامی درجِ ذیل ہے:

''(1) السلام علیکم۔ سال ہی میں دو ایسے واقعات پڑھنے اور سننے میں آئے ہیں جنہوں نے یہاں کے اہل فکر طبقہ میں بڑا تحرک اور ملا زدہ لوگوں میں بڑی (Excitement) پیدا کر دی ہے۔ خبر یہ ہے: ''چاند پر اُترنے والے پہلے امریکی خلا باز نیل آرمسٹرانگ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے ہیں۔ یہ واقعہ 1969ء کا ہے۔ جب آرمسٹرانگ اپنی خلائی شٹل میں چاند کی طرف مائلِ پرواز تھا۔ اس نے بیرونی خلا میں ایک عجیب وغریب آواز سنی۔ یہ آواز ہر روز کئی بار اس کے کانوں میں گونجی اس آواز نے چاند تک اس کا پیچھا کیا۔ آرمسٹرانگ جب زمین پر واپس آیا تو اس آواز کو بھول بھلا گیا۔ بعدازاں وہ جب جامع الازہر کے معائنے پر قاہرہ میں تھا تو یہ عجیب و غریب آواز ایک بار پھر اس کے کانوں میں آئی۔ وہ حیران ہو گیا اور اپنے مصری میزبان سے اس آواز کے متعلق پوچھا۔ میزبان نے بتایا کہ یہ اذان ہے نماز کے لئے بلاوا جو قریبی مسجد سے بلند ہو رہا ہے۔ بس کیا تھا۔ آرمسٹرانگ کے دل و دماغ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ دل میں ایک ہل چل مچ گئی جو ان کے قبولِ اسلام پر منتج ہوئی۔''

(2) 13 مارچ بی بی سی ٹیلی ویژن نے (Asian Magazine) پروگرام میں جناب قدرت اللہ شہابؔ کا ایک..... (Recorded) انٹرویو دکھایا۔

اس سوال کے جواب میں آپ نے شہاب نامہ میں (جس کی ابھی تک چند قسطیں ہی شائع ہوئی ہیں) کچھ ایسے واقعات بھی لکھے ہیں جن کی روشنی میں آپ کو بجا طور

پر تو ہم پرست کہا جا سکتا ہے' شہاب نے فرمایا میں نے آج تک جو کچھ لکھا ہے وہ یا تو میرا ذاتی تجربہ ہے یا مشاہدہ۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ پھر یہ واقعہ سنایا۔

''میں انڈین سول سروس میں تھا۔ بسلسلہ ملازمت اڑیسہ کے اس وقت کے دارالخلافہ میں جب جانا ہوا تو رہائش کے لئے میں نے ایک مکان کے متعلق دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ مکان خالی پڑا ہے۔ اس میں کوئی رہتا نہیں۔ اگر کوئی رہتا بھی ہے تو چند دنوں کے بعد بھاگ جاتا ہے۔ یہ (Haunted House) ہے۔ میں نے وہ مکان لے لیا۔ ایک سال تک اکیلا اس میں رہا۔ اس عرصے میں ایک دن بھی ایسا نہ گزرا کہ وہاں وہ سب کچھ نہ ہوا ہو جو آپ (Ghost Stories) میں پڑھتے ہیں۔ کبھی پتھر گرتے' کبھی آگ لگتی' کبھی (Cupboard) کھولتا تو سانپ ہاتھوں میں آجاتا۔ الغرض طرح طرح کی انہونی باتیں ہوتیں۔ میں نے تفتیش شروع کی کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ مجھے پتہ چلا کہ 18 برس پہلے یہاں ایک آفیسر آیا تھا۔ وہ ایک نوخیز معصوم ہندو لڑکی کو شادی کا چکمہ دے کر ساتھ لے آیا تھا۔ جب وہ لڑکی حاملہ ہوگئی تو اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور اسی گھر میں دفن کر دیا۔ وہ لڑکی چاہتی ہے کہ اس کی ہڈیاں یہاں سے نکال کر اس کی ماں کی موجودگی میں (جو 18 سال گزر جانے کے باوجود اپنی بچی کی آمد کا انتظار دیکھ رہی ہے) اس کے مذہبی عقیدے کے مطابق جلائی جائیں۔ میں نے حکومت کو اطلاع کی۔ پولیس کی نگرانی میں ہڈیاں نکال کر اس کی ماں کی موجودگی میں جلائی گئیں۔ اس کے بعد وہ گھر (Haunted House) نہ رہا۔''

مجھے بہت سے احباب نے فون کئے میں نے آرمسٹرانگ اور بالخصوص شہاب صاحب کی شخصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان سب کو یہی جواب دیا کہ میں یہ دونوں واقعات محترم پرویز صاحب کو لکھ رہا ہوں آپ ان کے تبصرہ کا انتظار کریں۔

ان دو واقعات کو پڑھنے اور سننے کے بعد عام طور پر جس قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا وہ کچھ اس طرح کے ہیں:

(1) موت کے بعد بھی روحوں کا اس دنیا سے رابطہ قائم رہتا ہے۔ ظلم و ناانصافی یا کسی گہرے عقیدے کی عدم تعمیل کے باعث وہ مضطرب و بے چین رہتی ہیں اور اپنی بے چینی کا اظہار مختلف صورتوں میں کرتی رہتی ہیں' تآنکہ ان کی خواہش کے مطابق ان کے دُکھ کا مداوا نہیں کر دیا

جاتا۔

(2) شعور کی اگلی سطح پر پہنچ کر بھی ہر روح انہی عقائد و نظریات کی حامل رہتی ہے جو اسے اس دنیا میں عزیز تھے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہاں پہنچ کر اصل حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ جاتی ہے اور یوں نظریات وتصورات کے سارے امتیازات مٹ جاتے ہیں کچھ زیادہ وزنی بات معلوم نہیں ہوتی۔

(3) یہ سچ ہے کہ اس دنیا میں آئے دن کروڑہا انسانوں کو طرح طرح کے ظلم وستم اور جور وتعدّی کا نشانہ بنایا جاتا ہے اگر ان میں سے ہر ایک کی روح یوں اس دنیا پر یلغار کرنے لگے تو پھر یہ سارا جہان ایک (Haunted House) بن کر رہ جائے لیکن یہ اس لئے نہیں ہو پاتا کہ جس طرح اس دنیا میں حضرت عمرؓ۔ آئن سٹائن۔ شیکسپیئر جیسی شخصیتیں وقت کے آسمان پر ٹانویں ٹانویں تاروں کی مانند دکھائی دیتی ہیں اسی طرح ایسی روحیں جو اپنے کرب و بلا کی بجلیاں اس دنیا تک پہنچا سکیں خال خال ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے واقعات کبھی کبھار دکھائی دیتے ہیں۔ مخلوق خدا کی اکثریت تو (Effect) ہی ہوتی ہے (Cause) ہونے کے اعلیٰ مقام پر تو صدیوں پر پھیلے ہوئے دور میں چند نفوس ہی فائز ہوتے ہیں۔

(4) 6 مارچ کو ہماری بزم کی میٹنگ میں جو درس سنایا گیا اس میں آپ نے لفظ جِنّ پر خصوصی روشنی ڈالی تھی۔ درس کے بعد احباب نے اسی موضوع پر کچھ دیر گفتگو جاری رکھی' ایک صاحب نے کہا کہ حال ہی میں میرے ایک دوست کا انتقال ہوا ہے۔ اس کے گھر کے تمام افراد اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جس دن سے اس کی موت واقع ہوئی ہے رات کو جب بھی ہم کوئی لائٹ (On) کرنا چاہتے ہیں تو وہ خود بخود (On) ہو جاتی ہے جس لائٹ کی ضرورت نہیں ہوتی وہ اپنے آپ بجھ جاتی ہے۔ احباب کی متفقہ رائے یہ تھی کہ ایسی باتیں کرنے والے ذہنی مریض ہوتے ہیں اس لئے ان کی باتیں درخور اعتنا نہیں ہوتیں۔

ٹی وی پر شہاب صاحب کا انٹرویو دیکھنے کے بعد اس دوست نے مجھے فون کیا اور کہا۔ کیانی صاحب! مجھے اپنے سوال کا جواب مل گیا ہے۔ شہاب صاحب یقیناً ذہنی مریض نہیں ہو سکتے۔

(5) مُلّا زدہ لوگوں کو ختم' درود' پیر پرستی اور اس طرح کی دوسری بہت سی بدعتوں کے لئے ایک بہت بڑی سند مل گئی ہے۔

اگر آپ ان ہر دو واقعات اور ان سے پیدا شدہ خیالات پر کچھ تبصرہ کرنا مناسب سمجھیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ کم از کم قارئین طلوع اسلام کے لئے

بہت مفید ثابت ہوگا۔''

لندن میں سے ایک اور صاحب کا بھی اسی مضمون کا (انگریزی زبان میں) خط آیا ہے چونکہ ہر دو خطوط کے مضمون یکساں ہیں' اس لئے اسے درج کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس میں جو دو ایک مزید نقاط ہیں' ان کا تذکرہ کر دیا جائے گا۔

☆☆☆

مذکورہ بالا خط میں تین واقعات کا ذکر کیا گیا ہے: (1) آرمسٹرانگ کا قبولِ اسلام۔ (2) شہاب صاحب کا بیان کردہ قصہ اور (3) بجلیاں جلنے بجھنے کا واقعہ۔ ان میں شہاب صاحب کے بیان کردہ قصہ کی حیثیت مرکزی ہے اور تفصیل چاہتی ہے۔ اس لئے اسے میں آخر میں لوں گا۔ پہلے بقایا دو واقعات لئے جاتے ہیں۔

نیل آرمسٹرانگ کا قبولِ اسلام

1- ہمیں کسی کی نیت پر شُبہ کرنے کی ضرورت نہیں لیکن آرمسٹرانگ نے جو قصہ بیان کیا ہے' اس کی صحت قرین قیاس نظر نہیں آتی۔ یہ صاحب امریکہ کے شہری باشندے ہیں۔ اچھے لکھے پڑھے ہیں۔ اسے بمشکل باور کیا جا سکے گا کہ انہوں نے نہ تو خلائی سفر میں جانے سے پہلے (ساری عمر) اذان کی آواز سنی ہو' نہ وہاں سے واپسی کے بعد' دس بارہ سال تک' اس کا اتفاق ہوا ہو' درآنحالیکہ ذرائع مواصلات (ریڈیو۔ ٹی۔ وی' حتیٰ کہ سینما تک) کے عام ہو جانے سے' اذان کی آواز کسی نہ کسی نہج سے فضا میں گونجتی رہتی ہے۔

2- اُس کے بیان کے مطابق خلائی سفر کی پرواز کے دوران اس آواز نے مسلسل اس کا پیچھا کیا تا آنکہ وہ چاند پر اُتر گیا۔ اور جب زمین پر واپس آیا تو اس آواز کو بھول گیا۔ کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس قدر محیر العقول واقعہ کو زمین پر اُترتے ہی بھول گیا ہو؟ اُسے تو اِس واقعہ کو اپنے سائنٹسٹ ہم دبستانوں سے سب سے پہلے بیان کرنا چاہئے تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو وہ اس کا سائنسی یا نفسیاتی تجزیہ کر کے بتاتے کہ اس آواز کی حقیقت کیا تھی۔ اس نے ایسا نہیں کیا۔ علاوہ بریں اس نے متعدد انٹرویو دیئے تھے جن میں اپنے سفر کی ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیات' مشاہدات' تجربات' اپنے جذبات اور احساسات تک بیان کئے۔ لیکن نہ بیان کیا تو یہ واقعہ جو اس قدر تحیر انگیز تھا کہ جب (اس بارہ سال کے بعد) اس کی یاد تازہ ہوئی تو اس کے قلب و دماغ میں ہیجان پیدا ہو گیا اور وہ ہیجان اس قدر انقلاب انگیز تھا کہ اس نے اپنے قدیم مذہب کو چھوڑ کر فوراً اسلام قبول کر لیا۔ نفسیات کا مبتدی بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ جو واقعات اس قدر ہیجان خیز ہوں وہ' اتنی جلدی تو کیا' عمر بھر بھولا نہیں کرتے۔

3- ایک شخص اپنے مذہب میں رہتے ہوئے' اپنی ہم مذہب قوم کا فرد ہوتا ہے اور اسے کوئی خاص امتیازی مقام حاصل نہیں ہوتا تا آنکہ وہ کسی گوشے میں منفرد نہ ہو جائے'

جس سے اسے خاص شہرت حاصل ہو جائے لیکن اگر وہ دوسرا مذہب اختیار کر لے، تو اس کی محض تبدیلیٔ مذہب ہی اس کے لئے نمایاں عزت اور شہرت کا موجب بن جاتی ہے۔ اسلام قبول کرنے سے یہ شہرت بڑی آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ مسلمان اقوام ایک عرصہ تک مغرب کی سفید فام اقوام کی محکوم رہی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ (اس محکومیت کے ختم ہو جانے کے بعد بھی) ان (سفید فام اقوام) کی برتری کا احساس غیر شعوری طور پر ان کے اعصاب و اذہان پر مسلط رہتا ہے۔ اگر ان (سفید اقوام کا) کوئی فرد اسلام لے آئے تو (بلا لحاظ اس امر کے کہ اس کی علمی یا ذہنی سطح کیا ہے) یہ اسے نیاز کے دانے کی طرح لئے لئے پھرتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات آئے دن ہمارے علم میں آتے رہتے ہیں۔ ان، مسلمان ہونے والوں میں سے، اکثریت ان کی ہوتی ہے جنہیں نہ اسلام کے متعلق کچھ علم ہوتا ہے، نہ ہی سوسائٹی میں ان کا کوئی علمی مقام۔ وہ مسلمانوں کے اس جذبہ کا استحصال کرتے ہیں۔ جب تک ان کے جلوس نکلتے رہتے ہیں، وہ ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس کے بعد ان کا پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ کہاں گئے؟ اکثر و بیشتر وہ اپنے سابقہ مذہب کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

4- اگر کوئی اس قسم کی (Exploitation) نہیں بھی کرتا، اور جذباتی طور پر مسلمان ہو جاتا ہے تو اس قسم کا اسلام جس قدر محکم ہو سکتا ہے، ظاہر ہے۔ آرمسٹرانگ صاحب کے کان میں اذان کی آواز پڑی، تو وہ مسلمان ہو گئے۔ اگر دوسرے سفر میں ان کے کان میں سنکھ کی آواز پڑ گئی تو کیا عجب کہ وہ ہندو دھرم اختیار کر لیں۔ اگر مذہب کی صداقت کا معیار کوئی محیر العقول واقعہ ہی ہو، تو ایسے واقعہ کی نسبت کسی مذہب کی طرف ہو، اسے سچا مذہب سمجھ لیا جائے گا۔

5- اسلام کی صداقت کا یہ معیار نہیں۔ وہ کچھ دعاوی پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ انہیں دلائل و براہین کی رو سے پرکھو۔ اگر وہ اس کسوٹی پر پورے اتریں اور اس طرح ان کی صداقت کے متعلق تمہارا قلب اور دماغ مطمئن ہو جائے تو اسے قبول کر لو۔ اس طرح قبول کیا ہوا اسلام، مستحکم ہوتا ہے اور توہم پرستی کا کوئی حادثہ اسے متزلزل نہیں کر سکتا۔ حضورﷺ کے مخالفین آپ سے بار بار فرمائش (بلکہ مطالبہ) کرتے تھے کہ کوئی معجزہ دکھایئے تو ہم اسلام لے آتے ہیں۔ ہر بار ان کے مطالبہ کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا جاتا کہ اسلام اپنے دعاوی کو محیر العقول حوادث کے ذریعے عقل وفکر کو ماؤف کر کے نہیں منواتا۔ اس کے برعکس وہ کہتا ہے کہ قرآن نازل ہی اس لئے کیا گیا ہے: **لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ** (12:2 و دیگر آیات)۔۔۔ ''تاکہ تم عقل وفکر سے کام لینا سیکھو اور اس طرح اسے سمجھو'' یہ ہے ہی اس قوم کے لئے جو عقل وفکر سے کام لے (**لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ**. 13:4 و دیگر آیات)۔۔۔ ہم نے چونکہ خود ہی اسلام کو دلائل و

براہین کی رو سے اختیار نہیں کیا' اس لئے جو کوئی بھی اسلام قبول کرے (خواہ اس کا جذبۂ محرکہ کچھ بھی کیوں نہ ہو) ہم جشنِ مسرت منانے لگ جاتے ہیں اور اس سے کبھی نہیں پوچھتے کہ اس نے اس کے دعاوی کو عقل وفکر کی رو سے پرکھ کر' قبول کیا ہے؟ جس طرح ہم نے اسلام اختیار کر رکھا ہے۔ اگر کوئی اور بھی اس طرح اس ''ہجومِ مومنین'' میں شامل ہو جاتا ہے۔ تو یہ چیز اسلام کی صداقت کا ثبوت نہیں ہوسکتی کہ ہم اسے دنیا کے سامنے فخر ومسرت کے ساتھ پیش کریں اور اسلام کے لئے طرۂ امتیاز قرار دیں۔ مسٹر آرمسٹرانگ اپنے فنی کارنامے کے اعتبار سے بے شک عالمگیر شہرت کا حامل ہے لیکن اپنے اسلام قبول کرنے کی جو وجہ وہ بیان کرتا ہے' اس میں اگر وہ ابلہ فریبی سے کام نہیں بھی لیتا تو بھی وہ جذباتی اور توہم پرست انسان نظر آتا ہے۔

اس قسم کا اسلام' قرآن کی میزان میں کوئی وزن نہیں رکھتا۔ روایت میں ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ کا کم سن بیٹا فوت ہوا تو اتفاق سے سورج گہن میں آ گیا۔ عرب کا سا توہم پرست ملک۔ لوگ گروہ در گروہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ آپ ﷺ خدا کے سچے رسول ہیں۔ ہم اسلام قبول کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ امر بڑی مسرت کا باعث ہے کہ تم صداقت کا اعتراف کر رہے ہو' لیکن یہ بتاؤ کہ تم اسلام کے اس قدر مخالف تھے۔ اب کیا ہوا کہ تم یکا یک اس کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ کی صداقت کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہوگا کہ آپ ﷺ کے غم میں شرکت کے لئے سورج نے بھی ماتمی لباس پہن لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارے اسلام قبول کرنے کا جذبۂ محرکہ یہی ہے تو بہتر یہ ہے کہ تم اسلام قبول نہ کرو۔ چاند اور سورج کو خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق گہن لگتا ہے۔ اسے کسی انسان کے صدمہ سے کچھ تعلق نہیں۔ اس قسم کی توہم پرستی سے لایا ہوا اسلام نہ مستحکم ہوسکتا ہے' نہ ہی کچھ وقعت رکھتا ہے۔ تم جاؤ اور میرے دعاوی پر غور وفکر کرو۔

☆☆☆

ہم یہاں تک لکھ چکے تھے کہ روزنامہ جنگ (لاہور) کی 10 اپریل 1983ء کی اشاعت میں حسبِ ذیل خبر نظروں سے گذری:

''امریکہ کے خلاباز اور چاند پر قدم رکھنے والے دنیا کے سب سے پہلے انسان' نیل آرمسٹرانگ نے اس امر کی تردید کی ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ سعودی عرب کے اخبار ''المدینہ'' کے نامہ نگار مقیم واشنگٹن سے ایک خصوصی ملاقات کے دوران مسٹر آرمسٹرانگ نے اس سوال کے جواب میں۔۔۔ کہ کیا واقعی انہوں نے اسلام قبول کر لیا

ہے؟۔۔۔ کہا کہ وہ اسلام کا احترام کرتے ہیں لیکن انہوں نے کبھی اسلام قبول کرنے کا اعلان نہیں کیا۔''

چلئے! قصہ کوتاہ گشت' ورنہ دردِ سر بسیار بُود۔ معلوم نہیں وہ حضرات جو آرمسٹرانگ کے قبولِ اسلام کو' اذان کی عظمت کی شہادت کے طور پر پیش کرتے تھے' اب کیا کہیں گے؟ یاد رکھئے! اسلام اپنی صداقت کے ثبوت کے لئے اس قسم کی عنکبوتی شہادات کا محتاج نہیں!

☆☆☆

اب رہا بجلیاں روشن ہونے اور بُجھ جانے' کا واقعہ' تو ایسا نظر آتا ہے کہ انگلستان میں اس قسم کے واقعات نادر الوقوع ہیں جو اس پر اس قدر حیرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہاں اس قسم کے (بلکہ اس سے کہیں زیادہ محیر العقول) واقعات آئے دن ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی سا اخبار اٹھائیے' اس میں اسی قسم کے کسی نہ کسی واقعہ کی خبر درج ہوگی۔ دو چار روز تک اس کا خاصہ چرچا رہے گا۔ پھر یا تو تحقیق و تفتیش کے بعد اس کے حقیقی اسباب بے نقاب ہو جائیں گے' یا وہ خود ہی اپنی ندرت کھو کر فضا میں تحلیل ہو جائے گی' جس انگلستان میں اب اس قسم کے واقعات (غالباً) نادر الوقوع ہیں' دو ایک صدیاں پہلے کوئی گھر خالی نہیں ہوتا تھا۔ جس میں اس قسم کی اعجوبہ خیزیاں یا شعبدہ بازیاں کارفرما نہ ہوں۔ وہاں سائنٹفک تحقیقات نے تاریکی کی اس چادر کو لپیٹ کر علم و فکر کی شمع جلا دی جس سے سانپ' سانپ اور رسی' رسی نظر آنے لگ گئی۔ جس قدر کوئی ملک علم و تحقیق میں پیچھے ہوتا ہے' اسی قدر وہ توہم پرستی کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوتا ہے۔ آج بھی آپ' افریقہ یا آسٹریلیا وغیرہ کے اصلی باشندوں کو دیکھئے' ان کی زندگی کی ہر نقل و حرکت توہم پرستی کی زنجیروں کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ خود ہمارے ہاں جس قدر جہالت ہے' اسی قدر توہم پرستی کی تاریکی ہے جسے کشف و کرامات' درود و وظائف' گنڈا تعویذ کی چادروں سے ایسا مقدس بنا دیا گیا ہے کہ انہیں ہٹانا تو ایک طرف کوئی انہیں چھونے تک کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس قسم کے محیر العقول واقعات' ناقابلِ فہم اس لئے رہتے ہیں کہ ہم ان کی تحقیق نہیں کرتے۔ ان کے متعلق عقیدہ یہ رکھتے ہیں کہ یہ فوق الفطرت واقعات ہیں جو اسباب و علل کی گرفت میں آ نہیں سکتے۔ روایات کی مبالغہ آمیزی اس عقیدہ کو اور بھی پختہ کرتی رہتی ہے۔ اس پر مستزاد ان کے ہتھکنڈے جن کا ذریعہ معاش ہی توہم پرستی ہے۔۔۔۔۔ ہر یک نخچیر' صد نخچیر گیر۔

اصل یہ ہے کہ انسان اپنے شعور کے عہدِ طفولیت کے تاثرات غیر محسوس طور پر اپنے ساتھ لئے چلا آ رہا ہے۔ بچپن میں ہمیں ہر بات محیر العقول نظر آتی ہے۔ جوں جوں ہم اشیاء و وقائعِ کائنات کو دیکھنے کے عادی ہوتے جاتے ہیں' ہمارا تحیر کم ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ معمول کی ہر شئے اور ہر

واقعہ ''معمولی'' بن جاتا ہے لیکن جب کوئی واقعہ غیر معمولی طور پر سامنے آئے' وہ محیر العقول نظر آتا ہے۔ اور اس میں ہم بڑی دل چسپی لیتے ہیں۔ وہ خارقِ عادت' فوق الفطرت دکھائی دیتا ہے۔ اس کے بعد جب ہم اس کے عادی ہو جاتے ہیں' اس میں وہ تحیراتی دل چسپی باقی نہیں رہتی۔ عصرِ حاضر کی سینکڑوں ایجادات' جو شروع شروع میں باعثِ صد حیرت (بلکہ ناممکن الوقوع) تھیں' اب معمولات میں شامل ہو چکی ہیں۔ خلافِ عادت واقعات کے متعلق ہماری حیرت کی فراوانی ہے جو انہیں کشف و کرامات کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ یہاں پہنچ کر صورت یہ نہیں رہتی کہ۔۔۔ بہر یک نخچیر صد نخچیر گیر۔ کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ۔۔۔ صید خود صیاد را گوید بگیر۔

قرآن انسانی شعور کو عہدِ طفولیت سے نکال کر' دورِ شباب میں لے آتا ہے' جہاں وہ کہتا ہے کہ کائنات کا کوئی واقعہ علت و معلول کی کڑیوں سے ماوراء نہیں ہوتا۔ اگر وہ کڑیاں تمہیں نظر نہیں آتیں' تو اس میں ''نخیلِ بلند'' کا نہیں' تمہاری کوتاہ دستی کا قصور ہوتا ہے۔ ذرا علمی ہاتھ اونچا کیجئے۔ واقعہ کی علت تمہاری دسترس میں آ جائے گی۔

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

☆☆☆

اب آیئے اس واقعہ کی طرف جسے شہاب صاحب نے بیان فرمایا ہے:

میں یہ عرض کر دوں کہ شہاب صاحب سے میرا بڑا دیرینہ تعارف ہے اور میرے دل میں ان کا بڑا احترام ہے۔ وہ بڑی خوبیوں کے انسان ہیں۔ پچھلی دفعہ جب وہ پاکستان تشریف لائے' تو معلوم ہوا کہ ان کا رجحان تصوف کے خلوتکدوں کی طرف ہو رہا ہے۔ اس سے مجھے بڑا افسوس ہوا کہ اتنی عمدہ صلاحیتیں ضائع ہو جائیں گی۔ قارئین کو علم ہو گا کہ میری (پہلی) آدھی زندگی انہی خلوتکدوں میں گزری ہے۔ اس لئے یہ میری شنید نہیں' بلکہ ذاتی مشاہدات' تجربات اور واردات پر مبنی ہے جو میں نے کہا ہے کہ ایسی گرانقدر صلاحیتیں بیکار چلی جائیں گی 1۔ ان خلوت گاہوں میں داخل ہوتے وقت عقل و فکر کے جوتے دروازے سے باہر اتار دینے پڑتے ہیں۔ یہ صلاحیتیں بیکار ہی نہیں جاتیں' بڑا نقصان پہنچاتی ہیں۔ اس کی ایک مثال تو زیرِ نظر واقعہ میں ہی سامنے آ جاتی ہے۔ اس واقعہ سے جو نتائج مستنبط کئے گئے ہیں' وہ (جیسا آگے چل کر بیان کیا جائے گا) بڑے گمراہ کن ہیں لیکن ان کے صحیح ہونے کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اسے شہاب صاحب جیسی شخصیت نے بیان کیا ہے۔ یہی بات اگر کسی بھنگڑ خانے کا کوئی ملنگ بیان کرتا تو (کم از کم پڑھا لکھا طبقہ) اسے اتنی جلدی سند قرار نہ دے دیتا۔ دنیا

1 مجھے اس باب میں تاسف سے زیادہ کچھ حق نہیں۔ یہ شہاب صاحب کا ذاتی معاملہ ہے جس میں کوئی دخیل نہیں ہو سکتا۔

میں اکثر و بیشتر غلط فہمیاں اور گمراہیاں اسی بنا پر پھیل جاتی ہیں کہ ان کی بیان کرنے والی بڑی معتبر شخصیتیں ہوتی ہیں۔ شہاب صاحب نے تو چند خلافِ معمول واقعات دیکھے اور غیر مرئی آوازیں ہی سنیں۔ آپ میری کتاب ''تصوف کی حقیقت'' میں دیکھئے۔۔۔ کتنی کتنی بڑی شخصیتیں، کس کس قسم کے خلافِ علم و عقل واقعات پر یقین ہی نہیں رکھتیں بلکہ خود اپنے ''مشاہدات'' بیان کرتی ہیں۔ ہمارے زمانے میں علامہ اقبالؒ سے بڑا دانشور اور مفکر کسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ ان کے متعلق دیکھئے کہ وہ کس کس قسم کی توہم پرستیوں کا شکار تھے [1]۔ ''روزگارِ فقیر'' کا مؤلف اپنی کتاب کی جلد دوم میں لکھتا ہے:

''علامہ اقبالؒ پر بھی کبھی عمیق غور و فکر، بلکہ یوں کہئے، اِستغراق کی ایسی کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی کہ وہ اپنے گرد و پیش کے حالات اور ماحول سے یکسر غافل ہو جاتے۔ آخری عمر میں اُن کے دل و دماغ پر اس کیفیت کا غلبہ اور زیادہ ہونے لگا تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے کمرے میں حسبِ معمول نیم دراز تھے اور کوئی ملاقاتی اُس وقت موجود نہیں تھا۔ اپنے دیرینہ خادم علی بخش کی آہٹ سُن کر وہ چونک پڑے اور اُسے مخاطب کر کے فرمایا:

''علی بخش! میرے پاس مرزا غالب بیٹھے ہوئے تھے۔ ابھی ابھی باہر گئے ہیں۔ جلدی جاؤ اور انہیں واپس بُلا لاؤ۔'' علی بخش ایک فرمانبردار اور سادہ لوح خادم، علامہؒ کا حکم سنتے ہی باہر لپکا اور اِدھر اُدھر دیکھ کر بظاہر مرزا غالب کی تلاش میں ناکام واپس آ گیا اور کہا۔ ''غالب صاحب مجھے نہیں ملے۔'' علامہؒ نے فرمایا: ''بھئی! تم کیا کہہ رہے ہو۔ وہ ابھی تو میرے پاس اسی کُرسی پر بیٹھے ہوئے دیر تک باتیں کرتے رہے ہیں۔''

انتقال سے چند روز پہلے بھی اسی نوعیت کا واقعہ پیش آیا۔ اس دفعہ انہوں نے مولانا رومیؒ کے متعلق علی بخش سے کہا کہ وہ ابھی میرے پاس سے گئے ہیں۔ اُنہیں واپس بلا لاؤ۔ اس بار بھی علی بخش مہمان کے خیالی پیکر کو باہر ڈھونڈ کر ناکام واپس آ گیا۔ (تصوف کی حقیقت، ص 265)۔

شاہ ولی اللہؒ (محدث دہلوی اور ان کے خاندان) کی علمی اور مذہبی شہرت سے کون واقف نہیں۔ ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیمؒ اپنا ایک واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں:

''میری ہمشیرہ بیمار تھی۔ گھر کی عورتیں اس کے گرد یاس و قنوط کے عالم میں بیٹھی تھیں اور میں ساتھ کے کمرے میں تنہا سو رہا تھا۔ یکا یک میں نے دیکھا

1۔ کسی زمانے میں اقبالؒ خود انہیں ''شعبدہ بازوں کی کمندیں'' کہا کرتا تھا۔

کہ حضرت والد صاحب مرحوم تشریف لے آئے۔ فرمایا کہ لڑکی کو دیکھنے آیا ہوں۔ ذرا اس کے اور عورتوں کے درمیان پردہ کرا دو۔ میں نے اُٹھ کر مریضہ اور عورتوں کے درمیان چادر لٹکا دی۔ حضرت والد صاحب آگے بڑھے' مریضہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ دعا کی اور فرمایا 'بیٹی! تیری تکلیفیں ختم ہو گئیں۔ انشاء اللہ صبح کو تو اچھی ہو جائے گی۔ یہ کہا اور کمرے سے نکل گئے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چلا تو آپ نے اشارہ سے روک دیا اور چند قدم آگے چل کر نظر سے اوجھل ہو گئے۔ میں حیرت و استعجاب سے کھڑا سوچتا رہا کہ حضرت کا تو عرصہ سے انتقال ہو چکا ہے' آج یہاں کیسے آ گئے۔ اسی روز میری ہمشیرہ کا بھی انتقال ہو گیا' اور وہ حضرت والد صاحب کے فرمان کے بموجب طویل علالت سے نجات پا گئیں۔ (ایضاً' ص160)۔

نہ تو علامہ اقبالؒ یا شاہ عبدالرحیمؒ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے جھوٹ بولا تھا۔ نہ ہی اُن کے علم و فضل سے انکار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جو کچھ انہوں نے دیکھا وہ حقیقت نہیں تھا۔ (Illusion) تھا۔ یعنی اپنے تخیل کی خلاقی۔ (جیسا کہ میں نے اپنی کتاب میں وضاحت سے بتایا ہے) تصوف کی ریاضتیں اور مراقبے' اس قسم کا ذہنی ارتکاز پیدا کر دیتی ہیں جسے عصرِ حاضر میں ہپناٹزم کہہ کر پکارا جاتا ہے 1۔ یہ (Illusions) اسی کے پیدا کردہ ہوتے ہیں جنہیں حقائق سمجھ لیا جاتا ہے۔ (ضمناً) ہپناٹزم کیا کچھ کر دکھاتا ہے' اس کی ایک مثال حال ہی میں سامنے آئی ہے۔ (غالباً) امریکہ سے شائع ہونے والے جریدہ (National Enquirer) میں اس کے اپنے رپورٹر کا بیان شائع ہوا ہے جس میں اس نے بتایا ہے کہ روس میں فضائی خلابازوں کو جو مشقیں کرائی جاتی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ وہ (بغیر سہارے کے) فضا میں تیرتے رہتے ہیں اور یہ کچھ ہپناٹزم کی قوت کے ذریعے کر دیا جاتا ہے۔ اس جریدہ کی 14 ستمبر 1982ء کی اشاعت میں ان خلابازوں کے فوٹو بھی شائع ہوئے ہیں جو اسی طرح خلا میں تیر رہے ہیں' وہاں کے لوگ نہ اس سے مسحور ہوئے ہیں' نہ کوئی خارقِ عادت کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ اگر یہی کچھ ہمارے ہاں کوئی ''حضرت صاحب'' کر کے دکھائیں تو ان کی پرستش ہونے لگ جائے!

بہرحال میں کہہ یہ رہا تھا کہ شہاب صاحب نے تو صرف کچھ خلافِ معمول واقعات دیکھے جنہیں ایک فوت شدہ لڑکی کی روح کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور ہمارے

1۔ مشرق میں اسے ابھی تک روحانیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہپناٹزم میں عامل اپنے معمول کو جو جی میں آئے دکھا دیتا ہے اور جو چاہے سنا دیتا ہے۔ معمول اسے حقیقت ہی سمجھتا ہے۔

ہاں کے ارباب علم وفضل نے (بقول ان کے) وفات یافتہ ہستیوں کو جسدِ انسانی میں اپنے سامنے دیکھا اور ان سے باتیں بھی کیں۔ شہاب صاحب نے' ان لوگوں کے کہنے کے مطابق کمرے کا فرش کھدوا کر' وفات شدہ لڑکی کی ہڈیاں برآمد کرا دیں۔ اگر وہ اپنی تفتیش کو آگے بڑھاتے تو ہوسکتا تھا کہ یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ ان خلافِ معمول واقعات کی حقیقت کیا تھی۔ میں نے کہا ہے کہ ہمارے ہاں اس قسم کے واقعات آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں' روزنامہ جنگ (لاہور) کی 7 اپریل 1983ء کی اشاعت میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی ہے:

ایک اطلاع کے مطابق ڈھیری حسن آباد (راولپنڈی) کے بابا الف شاہ قبرستان میں ایک خاتون کی قبر سے بچاؤ۔ بچاؤ اور ٹھک' ٹھک کی آوازیں آ رہی ہیں۔ مذکورہ خاتون جنوری 78ء میں انتقال کر گئی تھیں۔ علاقہ کے لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آوازیں کل رات سے آ رہی ہیں..... یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی اور دن بھر بچوں' عورتوں اور مردوں کا تانتا بندھا رہا۔

اس سے' عذابِ قبر کا عقیدہ رکھنے والوں کو سند مل گئی لیکن تین ہی دن بعد' اسی اخبار میں حسبِ ذیل خبر شائع ہوگئی:

ڈھیری حسن آباد میں بابا الف شاہ قبرستان میں مدفون محمودہ بیگم نامی خاتون کی قبر سے آنے والی آوازوں کا سلسلہ بند ہوگیا ہے۔ آج چوتھے روز بھی آواز سننے کے لئے آنے والے لوگوں کا تانتا بندھا رہا۔ تاہم لوگ قبر پر فاتحہ اور ورد کرتے رہے۔ علاقے کے لوگوں نے بتایا کہ نمازِ فجر کے بعد نمازیوں کی بڑی تعداد نے آ کر قبر پر فاتحہ پڑھی اور دعائیں مانگیں۔ (جنگ لاہور۔ 10 اپریل 1983ء)

اب کہا جائے گا کہ مرحومہ کی روح کو ایصالِ ثواب سے عذاب ٹل گیا! اگر کسی نے تفتیش کی زحمت اٹھائی ہوتی تو یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ یہ آوازیں کیا تھیں اور کس طرح سنائی دے رہی تھیں۔ اصل یہ ہے کہ وہ واقعات گمراہی کا موجب بن جاتے ہیں جو اتفاقیہ ظہور میں آ جائیں اور ان کی تحقیق نہ کی جائے۔ گمراہی کے اس سرچشمہ کو بند کرنے کے لئے قرآن نے تاکید کی تھی کہ:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولًا (17:36)-

جس بات کا تمہیں ذاتی علم نہ ہو' اس کے پیچھے مت لگ جایا کرو۔ یاد رکھو! تمہاری سماعت۔ بصارت اور قلب (Mind) سے پوچھا جائے گا کہ (جس بات کا تم نے یقین کر لیا تھا' کیا اس کی بابت تم نے تحقیق بھی کر لی تھی؟)

دنیا میں بالعموم اور ہمارے ہاں بالخصوص، جس قدر غلط باتوں کو مسلمات کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، ان کی وجہ یہ ہے کہ انہیں بڑی بڑی شخصیتوں کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے اور ہم ان کے متعلق خود تحقیق نہیں کرتے۔ اگر ہم قرآنِ کریم کے مندرجہ بالا ارشاد پر عمل کریں تو نہ تو ہم پرستیاں پھیلیں، نہ گمراہیاں وجود پذیر ہوں۔

میں نے گزشتہ سطور میں متعدد بار ''گمراہیوں'' کا ذکر کیا ہے۔ زیرِنظر واقعہ سے اگر صرف غلط فہمیاں پیدا ہوتیں تو وہ زیادہ نقصان رساں نہ ہوتیں لیکن یہ جن گمراہیوں کا موجب بن رہا ہے، وہ (ایک مسلمان کے نقطۂ نگاہ سے) بڑی خطرناک ہیں اور یہی اس کی وہ اہمیت ہے جس کی وجہ سے میں نے اسے اس قدر درخورِ اعتنا سمجھا ہے۔ جس انگریزی چٹھی کا میں میں نے شروع میں ذکر کیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ شہاب صاحب نے اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ:

> اس سے انہیں حیات بعد الممات کی حقیقت پر یقین آ گیا اور مذہب کے متعلق ان کے عقیدہ میں تقویت پیدا ہوگئی۔

یہ ہے (اس واقعہ پر مبنی) ان کا عقیدہ جس سے وہ تمام سوالات، شکوک اعتراضات پیدا ہو گئے جن کا ذکر ابتدا میں درج کردہ خط میں کیا گیا ہے۔ وہ عقیدہ یہ ہے کہ مرنے والوں کی روحیں اس دنیا میں آتی ہیں، اور ان کا یہاں کے احوال و کوائف سے رابطہ رہتا ہے۔ انگریزی خط کے مکتوب نگار تو اس سے بھی دو قدم آگے چلے گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہمارا قرآن کا مطالعہ ذہنی عیاشی (یا مشق) سے زیادہ کچھ نہیں رہتا جسے حقائق سے کچھ واسطہ نہیں۔ روح کو شانتی (اطمینان و سکون) ختم۔ درود۔ ورد و وظائف۔ کونڈوں۔ نیازوں ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

یہی ہیں وہ گمراہیاں جن کے ازالہ کے لئے میں نے اس خامہ فرسائی کی ضرورت سمجھی ہے۔

شہاب صاحب نے فرمایا ہے کہ اس حقیقت کے مشاہدہ سے کہ روحیں دنیا میں واپس آتی ہیں حیاتِ بعد الممات کے عقیدہ پر ان کا یقین پختہ ہو گیا ہے۔ میں ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ قرآن کریم حیات بعد الممات کا جو تصور پیش کرتا ہے، اس عقیدے کی رو سے، وہ تصور جڑ بنیاد سے اکھڑ جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک تمہید کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

خدا اور حیات بعد الممات کا عقیدہ، کسی نہ کسی شکل میں (قریب قریب) ہر مذہب میں پایا جاتا ہے لیکن قرآن کہتا ہے کہ اس کا منشاء اس سے پورا نہیں ہو جاتا کہ تم انہیں جس شکل میں جی چاہے مانو۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ: **فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُم بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا** (2:137)- ''اگر یہ (اہلِ مذاہب) خدا اور آخرت پر اس طرح ایمان رکھیں جس طرح (اے جماعتِ مومنین) تم ایمان رکھتے ہو،

تو پھر تسلیم کیا جائے گا کہ انہوں نے صحیح راستہ اختیار کر لیا ہے۔'' لہٰذا حیاتِ آخرت پر ایمان کے یہ معنی نہیں کہ جس طرح ہمارا جی چاہے ہم اسے مان لیں تو اسے صحیح ایمان سمجھ لیا جائے گا۔ صحیح ایمان یہ ہوگا کہ جس شکل میں اسے قرآن پیش کرتا ہے' اسے اسی شکل میں مانا جائے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ جس شکل میں اسے شہاب صاحب مان رہے ہیں۔ قرآن کریم اس کے متعلق کیا کہتا ہے۔

مرنے کے بعد کی زندگی کے متعلق بحث ہمیں حکمائے یونان کے ہاں ملتی ہے۔ ان میں سے فیثا غورث نے یہ نظریہ وضع کیا کہ مرنے کے بعد انسان کی روح پھر اس دنیا میں آتی ہے۔ اسے نظریۂ تناسخ کہا جاتا ہے۔ وہاں سے یہ عقیدہ ہندوؤں نے لیا۔ چنانچہ ان کے دھرم کی ساری عمارت اسی نظریہ (تناسخ یا آواگون) پر استوار ہے۔ چونکہ اس کے حق میں وہ کوئی علمی یا عقلی دلیل دے نہیں سکتے' اس لئے وہ اس قسم کے افسانے وضع کرتے رہتے ہیں۔ جن سے وہ (بزعمِ خویش) اس عقیدہ کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے اخبارات میں اس قسم کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں کہ فلاں جگہ ایک بچہ پیدا ہوا ہے (عام طور پر لڑکی) جو بتاتا ہے کہ وہ پچھلے جنم میں کہاں رہتا تھا۔ اس کا باپ کون تھا' وہ کیا کرتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ چند دنوں تک اس قسم کی خبریں اچھی خاصی شہرت حاصل کر لیتی ہیں۔ اس کے بعد یہ غبار خود ہی چھٹ جاتا ہے (علم کی روشنی بڑھ جانے سے اب اس قسم کی خبروں کی تعداد بھی کم ہوتی جا رہی ہے۔)

یہ ہے بنیاد اس عقیدہ کی کہ مرنے کے بعد روحیں اس دنیا کے ساتھ اپنا رابطہ بھی رکھتی ہیں اور یہاں ان کا آنا جانا بھی رہتا ہے۔

قرآن کریم نے اس باطل نظریہ کی جڑ کاٹ کر رکھ دی جب کہا کہ متوفی کا کوئی واسطہ اس دنیا کے ساتھ نہیں رہتا۔ نہ ہی وہ اس دنیا میں واپس آتا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ میں سردست دو ایک مثالوں پر اکتفا کروں گا۔

مرجانے والوں کے متعلق سورہ فاطر میں ہے۔

اِن تَدۡعُوهُمۡ لَا يَسۡمَعُوا دُعَآءَكُمۡ ۚ وَلَوۡ سَمِعُوا مَا اسۡتَجَابُوا لَكُمۡ (35:14)-

اگر تم (مُردوں کو) آواز دو' تو وہ تمہاری آواز سن نہیں سکیں گے اور اگر بفرضِ محال وہ سُن بھی لیتے تو اس کا جواب نہیں دے سکتے۔

سورہ احقاف میں ہے:

وہ قیامت تک اُن کی آواز نہیں سُن سکیں گے۔ انہیں اس کی خبر تک نہیں ہوتی کہ کوئی انہیں پکار رہا ہے۔(46:5)-

ان کی آواز سننا تو درکنار:

انہیں خود اپنے متعلق بھی علم نہیں ہوتا کہ وہ کب

اُٹھائے جائیں گے۔ یاد رکھو! وہ مُردہ ہیں۔ زندہ نہیں۔(16:21) ,(27:65)-

اب رہا روحوں کا اس دنیا میں آنا' سو قرآن کریم نے متعدد مقامات پر بتا دیا ہے کہ زندگی جُوئے رواں است ورواں خواہد بُود۔۔۔ اسے اپنے ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہے' پیچھے نہیں لوٹنا۔ سورہ الزمر میں اس حقیقت کو بڑے عمیق انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

اللہ نفوس کو وفات دے دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو مرے نہیں ان کی نیند میں۔ جن پر موت وارد ہو جاتی ہے ان کے نفوس کو روک لیتا ہے۔ جنہیں ابھی زندہ رہنا ہوتا ہے' ان کے نفوس کو ایک متعین ..... وقت تک کے لئے لوٹا دیتا ہے۔ یہ ایسا اہم نکتہ ہے جس میں اربابِ فکر و تدبر کے لئے حقیقت تک پہنچنے کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ -(39:42)

i- میں اس آیت میں بیان کردہ عمیق نکتہ کی تشریح میں نہیں جانا چاہتا۔ زیرِنظر موضوع کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ قرآن نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ مرجانے والوں کی روحیں روک لی جاتی ہیں۔ وہ دنیا میں واپس نہیں آتیں۔ (قرآن میں روح کا لفظ ان معانی میں کہیں نہیں آیا' جن معانی میں یہ ہمارے ہاں استعمال ہوتا ہے۔ اس میں نفس ہی کا لفظ آیا ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں اس کا مفہوم ''شعور'' بھی لیا جا سکتا ہے)۔

ii- سورۃ شعراء میں ہے کہ اُخروی زندگی میں یہ لوگ کہیں گے کہ:

اگر ہمیں ایک بار پھر دُنیا میں جانے دیا جائے تو ہم پکے اور سچے مومن بن جائیں۔(26:103) ,(39:58)

ان آیات میں کَـــــرَّۃً کا لفظ آیا ہے۔ یعنی ''بارِ دیگر''۔۔۔ ایک دفعہ اور۔ دیگر مقامات پر نَـرَدُّ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی اگر انہیں ایک بار پھر دنیا میں جانا ہو جائے تو۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن کریم کی رو سے' مرنے والا اس دنیا کی طرف سے یکسر بے خبر ہوتا ہے۔ یہاں کے احوال و کوائف سے وہ لاتعلق ہو جاتا ہے۔ نہ وہ ادھر والوں کی سُن سکتا ہے' نہ انہیں اپنی سُنا سکتا ہے۔ اسے اس دُنیا میں واپس آنے کی آرزو ہوگی' لیکن ایسا ممکن نہیں ہوگا۔ نہ وہ مجسم پیکر میں اِدھر آ سکے گا' نہ اُس کی روح آ سکے گی۔ لہٰذا' اقبالؒ سے ملاقات کرنے والا غالبؔ یا رومیؒ محض ان کے تخیل کی تخلیق تھا اور شہاب صاحب نے جس واقعہ کے متعلق سمجھ لیا کہ وہ اس متوفی لڑکی کی روح ہے جو آہ وفغاں کر رہی ہے' ہندوؤں کے تناسخ یا آواگون کے عقیدہ کا غیر شعوری تاثر تھا۔ ایسا ماننا کہ وہ سچ مچ غالبؔ اور رومیؔ تھے اور یہ اس لڑکی کی روح' قرآن کے حیات بعد الممات کے

تصور کے یکسر خلاف ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں آپ غور کیجئے کہ جس واقعہ کے متعلق شہاب صاحب (مبینہ طور پر) کہتے ہیں کہ اس سے ان کے حیات بعد الممات کے عقیدہ کو تقویت ملی ہے کیا وہ عقیدہ قرآن کے مطابق ہے یا اس کی نقیض؟ یاد رکھئے۔ ہمارے پاس سچ اور جھوٹ۔ غلط اور صحیح۔ افسانہ اور حقیقت کے ماپنے کا پیمانہ ایک ہی ہے اور وہ ہے خدا کی کتاب۔ اگر کوئی ایسا واقعہ ہمارے سامنے آتا یا ہم سے بیان کیا جاتا ہے، جو قرآن کے خلاف ہے، تو ہمارا ردعمل یہ ہونا چاہئے کہ وہ صحیح نہیں۔ اس کے بعد (اگر ممکن ہو تو) ہمیں تحقیقات کے بعد ثابت کرنا چاہئے کہ وہ واقعی غلط تھا، اگر اس قسم کی تحقیق ممکن نہ ہو، تو بھی ہمارا ردعمل یہی ہونا چاہئے کہ وہ واقعہ صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ ارشادِ خداوندی کے خلاف ہے۔

یہ صحیح ہے کہ شہاب صاحب نے وہاں جو کچھ دیکھا اس کے بیان کرنے میں انہوں نے جھوٹ نہیں بولا ہوگا لیکن اس سے انہوں نے جو نتیجہ اخذ کیا (کہ اس لڑکی کی روح وہ کچھ کرا رہی تھی) وہ غلط اور گمراہ کُن تھا۔

اِن حقائق کی روشنی میں اِن اعتراضات یا شکوک کے ازالوں کی ضرورت نہیں رہتی، جن کا ذکر مندرجہ بالا خط میں کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ جب وہ مفروضہ ہی غلط ہے جس پر یہ سوالات متفرع تھے، تو یہ (سوالات) خود بے بنیاد رہ جاتے ہیں لیکن چونکہ یہ استفسارات سامنے آ گئے ہیں، اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مختصر الفاظ میں ان کی وضاحت کر دی جائے۔ (ان استفسارات کو آپ چٹھی میں بارِ دیگر دیکھ لیجئے تا کہ جواب کا مفہوم سمجھ میں آ جائے)۔

(1) اس دنیا میں جس پر ظلم وستم ہوا تھا اور اس کی وجہ سے وہ مضطرب و بے قرار تھا تو اگلی دنیا میں جا کر اس اضطراب اور درد کا احساس مٹ جائے گا، اور اسے اس کی مظلومیت کے صلہ میں سکون اور راحت نصیب ہوں گے۔ ان زخموں کی یاد تو باقی رہے گی لیکن وہ مندمل ہو چکے ہوں گے اور ان کا درد وسوز ختم ہو چکا ہوگا۔ اس کے برعکس مضطرب و بے قرار وہ ہوگا جس نے اس پر ظلم اور ستم کیا تھا۔ اس کے درد اور سوز کی شدت کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی کو جہنم کی آگ کہا جاتا ہے۔

وہاں سے کوئی شخص اپنا دکھ درد اس دنیا والوں تک نہیں پہنچا سکتا۔ نہ ہی یہاں سے کوئی اس کے لئے کچھ کر سکتا ہے۔ جو کچھ کسی نے اس دنیا میں کیا ہوگا، وہاں اس کا نتیجہ سامنے آ جائے گا۔

(2) وہاں پہنچ کر بے شک پردے اُٹھ جائیں گے اور حقائق بے نقاب ہو کر سامنے آ جائیں گے۔ لیکن جس نے یہاں غلط مسلک اختیار کیا ہوگا اسے یہ

انکشافِ حقائق کچھ فائدہ نہیں دے سکے گا۔ کیونکہ نہ تو یہ وہاں صحیح راستہ اختیار کر سکے گا' نہ ہی یہاں کے غلط اعمال کے درد انگیز نتائج کا ازالہ وہاں ہو سکے گا۔

(3) جب قرآن نے بتا دیا کہ مرنے کے بعد کسی کا تعلق اس دنیا کے ساتھ نہیں رہتا اور کوئی روح واپس نہیں آ سکتی' تو اس میں بڑے اور چھوٹے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عظیم شخصیتوں کا حُسنِ کردار' دیگر انسانوں کے لئے (اس دنیا میں) مشعلِ راہ (اُسوہ یا نمونہ) بن سکتا ہے۔ اس میں (Cause) اور (Effect) کا رشتہ نہیں ہوتا' نہ ہی وہ اس دنیا سے ان کے لئے کچھ کر سکتے ہیں' جس طرح یہاں سے کوئی ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتا ہے۔

(4) اب رہے وہ لوگ جن کی کیفیت یہ ہے کہ بظاہر قرآن کے ساتھ لگاؤ ہے' لیکن جونہی کوئی ایسا واقعہ سامنے آیا جو (ان کے نزدیک) قرآن کے خلاف اور ان کے فہم سے بالاتر ہے' انہوں نے قرآن کا لبادہ اتار پھینکا کہ۔۔۔ ایں دفتر بے معنی غرقِ مئے ناب اولےٰ۔۔۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ ایک راستہ ان لوگوں کا ہے جو علم و بصیرت کی رو سے قرآنی حقائق پر' غور وفکر کے بعد' قلب و دماغ کے کامل اطمینان سے' اس حقیقت تک پہنچتے ہیں کہ قرآن کریم نے جو کچھ کہا ہے وہ حق و صداقت پر مبنی ہے۔ انہیں اربابِ ایمان و ایقان کہا جاتا ہے۔ ان کے سامنے اگر کوئی ایسا واقعہ آتا ہے جو نظر بظاہر قرآن کے کسی دعویٰ کے خلاف جاتا ہے' تو ان کا ردِعمل یہ ہوتا ہے کہ حقیقت وہی ہے جسے قرآن نے بیان کیا ہے۔ اس میں ذرا شک نہیں۔ یہ فی الحال ہمارے علم کی نارسائی اور تحقیق کی کمی ہے جو ہم اس واقعہ کی کُنہ و حقیقت تک نہیں پہنچ رہے اس کے بعد وہ اپنی تحقیق و جستجو کو جاری رکھتے ہیں تآنکہ وہ بے نقاب دیکھ لیتے ہیں کہ: اَنَّه' اَلْحَقُّ (41:53)- سچی بات قرآن ہی کی ہے۔

دوسرا راستہ ان لوگوں کا ہے جو قرآن کا مطالعہ اس لئے کرتے ہیں کہ اس سے انہیں ان کے اپنے خیالات' نظریات یا معتقدات کی سند اور تائید حاصل ہو جائے۔ جب تک ایسا ہوتا رہتا ہے' وہ قرآن سے مطمئن رہتے ہیں لیکن جونہی اس میں کوئی ایسی بات نظر آئی جو ان کے کسی نظریہ وغیرہ کے خلاف ہے' یا کوئی ایسا واقعہ نمودار ہوا جو انہیں قرآن کے خلاف نظر آتا ہے' اور ان کے فہم سے بالاتر ہے۔ تو وہ قرآن سے یوں باہر نکل جاتے ہیں جس طرح (قرآنی تشبیہ میں) سانپ اپنی کینچلی سے باہر نکل جاتا ہے

کہ اس پر اس کا کوئی نشان تک باقی نہیں رہتا۔ قرآن ایسے لوگوں کو اربابِ ایمان کے زُمرے میں شامل نہیں کرتا' بلکہ کہتا ہے کہ وہ خدا کو عَلٰی حَرْفٍ مانتے ہیں (22:11) یعنی (Sitting on the Fence)۔

ایسی روش فریب دہی کے لئے اختیار کی جائے یا خود فریبی کی وجہ سے (جو بالعموم خود اعتمادی کے فقدان کا نتیجہ ہوتی ہے)۔ قرآن اسے نفسیاتی مرض قرار دیتا ہے۔ (2:8-10) اور اس کا علاج بھی بتاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو جو خود اعتمادی کے فقدان یا خود فریبی کے مرض میں مبتلا ہوں تصوف کی پناہ گاہیں بڑی راس آتی ہیں کیونکہ وہاں نہ تحقیق کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے' نہ تجسس کی کاوش۔ وہاں مسلک یہ ہوتا ہے کہ۔۔۔

بمئے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید
۔۔۔اور زندگی ایسی کہ۔۔۔
گوش بند و چشم بند و لب بہ بند
۔۔۔یہی وہ مقامات ہیں جہاں ایسا شخص (Illusions) کو حقائق سمجھ لیتا ہے اور اس نشہ میں ایسی لذت محسوس کرتا ہے کہ وہاں سے نکلنے کو اس کا جی نہیں چاہتا۔

☆☆☆

خدا کرے کہ میری یہ گذارشات' میرے لندن کے رفقاء کے لئے وجہِ طمانیت ہو جائیں۔

چہ کند بے نوا ہمی دارد

والسلام۔

محترم خریدارانِ طلوع اسلام!

آپ کو مجلّہ طلوع اسلام جب بذریعہ ڈاک موصول ہو تو براہِ کرم لفافہ کو پھینکنے سے پہلے اس کے اوپر اپنے زرِشرکت سے متعلق تحریر کو ضرور پڑھئے جس پر آپ کا خریداری نمبر اور جس مہینہ اور سال تک آپ نے زرِشرکت ادا کیا ہو' وہ مہینہ اور سال اس طرح لکھا ہوتا ہے:

Subscription Paid Up to 12/2010

اس طرح آپ کو ادا شدہ یا واجب الادا زرِشرکت سے متعلق ایک نظر ڈالنے پر معلوم ہوتا رہے گا۔ نیز زرِشرکت بھیجتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ ایڈریس کی تبدیلی کی صورت میں مہینہ کی 15 تاریخ تک ادارہ کو مطلع کیجئے تاکہ اس ماہ کا پرچہ آپ کے نئے پتہ پر ارسال کیا جا سکے۔ (ادارہ طلوع اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآنی نظام

فروری 1965ء میں ادارہ طلوعِ اسلام کی طرف سے اس وقت کے صدر مملکت پاکستان کے نام 'قرآنی نظام' کے متعلق ایک کھلا خط لکھا گیا تھا جو طلوع اسلام کے فروری 1965ء کے شمارے میں چھپا تھا۔ 45 سالوں بعد موجودہ حکومت و سیاست کے ارباب اور عوام کی توجہ اور غور کے لئے اسے دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔

بشرفِ نظر

صدر مملکت پاکستان

سلام و رحمت۔

ہمارا سر نیاز' بدرگاہِ رب العزت سجدہ ریز ہے کہ اس نے ایک بار پھر اس خطۂ زمین کو انتشار پسندی اور تخریب انگیزی سے بچا لیا اور یوں ہمیں ایک اور موقع دے دیا کہ ہم اس مقصد کے حصول کے لئے کوشاں ہوں جس کی خاطر اس مملکت کا وجود عمل میں لایا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں ۔۔۔ یعنی اس خطۂ زمین کے تحفظ کے لئے ۔۔۔ جس قدر جدوجہد آپ نے کی ہے اس کے لئے ملک کا ہر بہی خواہ آپ کا شکر گزار ہے۔ اب جبکہ انتخاب کا ہنگامہ فرو ہو چکا ہے' ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ کچھ وقت کے لئے ہم کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیں اور سوچیں کہ ہمیں آئندہ کیا کرنا چاہئے ۔۔۔ ماضی میں جو کچھ ہوا' ہم اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مستقبل کے لئے ہمارا پروگرام کیا ہونا چاہئے۔ یہ ہے وہ مقصد جس کے لئے چند گزارشات آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں' اس امید کے ساتھ کہ آپ انہیں اپنی توجہ کا مستحق سمجھیں گے۔

آئینِ پاکستان

جس طرح اس خطۂ زمین کا حصول ہمارے لئے مقصود بالذات نہیں تھا بلکہ ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا' اسی طرح' منصبِ صدارت بھی مقصود بالذات نہیں بلکہ ایک عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے اور وہ مقصد اس کے سوا کیا ہے کہ اس سرزمین میں صحیح قرآنی نظام قائم

کیا جائے۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم' اولیں اور اساسی سوال آئینِ پاکستان کا ہے۔ کسی مملکت کے آئین میں بنیادی نکتہ یہ ہوتا ہے کہ مملکت کے لئے قانون سازی کا اصول کیا ہے باقی تمام تفاصیل اسی محور کے گرد گردش کرتی ہیں۔ اگر ہماری مملکت سیکولر ہوتی تو اس مسئلہ کا حل کچھ بھی مشکل نہیں تھا۔ مغرب کے جمہوری انداز کے مطابق' مجلس قانون ساز (پارلیمان) کی اکثریت جو فیصلے کرتی وہی مملکت کے قوانین بن جاتے لیکن جس مملکت کا وجود ایک آئیڈیالوجی کی رو سے عمل میں آیا ہو۔۔۔ اور اس آئیڈیالوجی کی حیثیت اس کے دین اور ایمان کی ہو۔۔۔ اس میں قانون سازی کا یہ اصول' کسی صورت میں کارفرما نہیں ہوسکتا۔ اس میں مجالس قوانین ساز کے اختیارات غیر محدود نہیں ہوتے بلکہ اس کی آئیڈیالوجی کے حدود کے اندر مقید ہوتے ہیں۔ لہٰذا' اس مملکت کے آئین کی پہلی خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ وہ ان حدود کا تعین کرے جس کے اندر رہتے ہوئے مملکت کا قانون وضع کیا جاسکتا ہے۔

قانون سازی کا اصول

اسلامی مملکت کے لئے قانون سازی کے اس اصول کو آپ خود اپنے بیانات اور تقاریر میں اس طرح واشگاف کر چکے ہیں کہ اس کے بعد' اس سلسلہ میں کسی مزید تشریح کی ضرورت نہیں رہتی۔۔۔ (مثلاً) آپ نے' پاک جمہوریہ کے دورہ کے سلسلہ میں' 18 دسمبر 1959ء کو ایک مقام پر فرمایا تھا:

> جہاں تک اسلامی اصولوں کا تعلق ہے پاکستان کا دستور یقیناً ان کا آئینہ دار ہوگا لیکن اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام کے اصول غیر متبدل رہتے ہیں لیکن ان کی جزئیات' تفصیلات اور طریقے حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ ان جزئیات کو ہمارے موجودہ حالات کے مطابق مرتب ہونا چاہئے۔

اس کے بعد آپ نے' 14 جولائی 1960ء کو' ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ کے گورنروں کے اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> اس امر کی وضاحت نہایت ضروری ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول کون سے ہیں اور جن طریقوں سے انہیں عمل میں لایا گیا تھا وہ کیا ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس باب میں کوئی الجھن باقی نہ رہے کہ اسلام میں کونسی باتیں غیر متبدل ہیں اور کونسی ایسی جن میں تغیر وتبدل کیا جاسکتا ہے۔

اور اس امر کی وضاحت بھی آپ نے خود ہی کر دی تھی جب آپ نے 1961ء میں' عیدالاضحیٰ کی تقریب پر ملک کے نام اپنے نشریہ میں فرمایا تھا کہ:

جہاں تک اسلام کے اصولوں کا تعلق ہے اسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں وضاحت سے بیان فرما دیا ہے۔

ان تصریحات کی روشنی میں، پاکستان میں قانون سازی کے اصول کا مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی:

جو احکام، قوانین، اصول اور حدود قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں وہ غیر متبدل ہیں۔ ان قوانین کی مزید جزئیات اور ان اصولوں کی تفصیلات، قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوئے ہم خود مرتب کر سکتے ہیں۔ ان جزئیات اور تفاصیل میں، زمانے کی ضرورتوں کے اعتبار سے، تبدیلی ہو سکتی ہے لیکن جو کچھ غیر متبدل ہے اس میں تبدیلی کرنے کا اختیار کسی کو حاصل نہیں۔

یہ ہے قانون سازی کا وہ اصول جسے ہمارے آئین کے اندر داخل ہونا چاہئے۔ جب تک ایسا نہیں ہوگا ہماری مملکت کے لئے کوئی ضابطۂ قوانین ایسا مرتب نہیں ہو سکے گا جسے اسلامی کہا جا سکے۔ اس امر کی شہادت خود یہ تلخ حقیقت ہے کہ مملکت کو وجود میں آئے قریب اٹھارہ سال ہو گئے لیکن ابھی تک اس کا کوئی ضابطہ قوانین مرتب نہیں ہوا۔ اس ضمن میں جس قدر کوششیں ہوئیں وہ سب بے نتیجہ رہیں، اس لئے کہ ہمارے آئین میں قانون سازی کی یہ اصل ہی گم تھی۔ جب تک یہ اصل، آئین کے اندر داخل نہیں کی جائے گی، وہ مقصد کبھی حاصل نہیں ہو سکے گا جس کے لئے اس مملکت کو متشکل کیا گیا تھا۔

علم و بصیرت اور غور و تدبر

آئین میں اس تبدیلی کے بعد، سب سے بڑی ضرورت اس امر کی ہے کہ مملکت کے مسائل، علم و بصیرت اور فکر و تدبر کی رو سے حل کئے جائیں۔ یہ وہ ضرورت ہے جس کا احساس آپ نے بہت پہلے کر لیا تھا۔ چنانچہ 6 جولائی 1959ء کو آپ نے، مری میں، کمشنرز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

اس وقت اشد ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل فکر و نظر حضرات کو دعوتِ غور و تدبر دی جائے کہ وہ زندگی کے ان مسائل کا نہایت معقول حل دریافت کریں۔

اس سلسلہ میں، ہمارے راستے میں جو چیز سنگ گراں بن کر حائل ہو رہی ہے، اس کی تشریح بھی آپ متعدد مواقع پر نہایت وضاحت سے کر چکے ہیں۔ چنانچہ آپ نے، مئی 1959ء کو، دارالعلوم ٹنڈو الہ یار میں، ''علماء'' سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

جب زندگی اور مذہب کا رشتہ منقطع ہو جائے تو زندگی تو بہرحال کسی نہ کسی سمت چلتی رہتی ہے لیکن

مذہب ایک ایسی بے جان شے بن کر رہ جاتا ہے جس میں نہ لوچ اور لچک باقی رہتی ہے نہ حرکت اور نمود کی صلاحیت۔ یہ جامد اور متحجر مذہب (زندگی کے دوش بدوش چلنے کے بجائے) مسجدوں' خانقاہوں میں مقید ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسلام کے ساتھ یہی ہوا۔ انسانیت' سائنس اور فلسفہ میں ترقی کرتے کرتے کہیں کی کہیں پہنچ چکی ہے لیکن ہمارا مذہب صدیوں سے ایک ہی مقام پر ساکت و صامت کھڑا ہے۔ اسلام کا معجزہ یہ تھا کہ اس نے بت پرستی کا خاتمہ کر دیا لیکن مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کو بت بنا دیا۔

اس تبدیلی کا خطرناک انجام واضح کرتے ہوئے آپ نے کہا تھا:

مذہب کو یوں بت بنا دینے کا ایک خطرناک نتیجہ' جس نے ہماری ملی ذہنیت اور ثقافت پر تباہ کن اثر ڈالا ہے' یہ تھا کہ جن لوگوں نے عصر حاضر کی ترقیوں کا ساتھ دیتے ہوئے آگے قدم اٹھایا ان پر ''دنیادار'' ہونے کی مہر ثبت کر دی گئی اور جو لوگ مذہبی رسومات و روایات کی آڑ لے کر ماضی کی دنیا میں' جمود و سکوت کے مجسمے بن کر رہ گئے' وہ سچے اور پکے مسلمان کہلانے لگے۔ رفتہ رفتہ ہوا یہ کہ مستقبل کی طرف نگاہ رکھ کر' شاہراہِ حیات پر آگے بڑھنے والے' اسلام سے منحرف اور برگشتہ شمار ہونے لگے اور ماضی کی طرف دیکھنے والے مقدس و دیندار قرار پا گئے۔ ہر نئے اقدام' ہر نئی ایجاد' ہر نئی تعلیم کے متعلق یہ شور برپا کر دیا گیا کہ یہ اسلام کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری تاریخ کے ہر دور میں ہر انقلابی راہنما کے خلاف کفر کے فتوے لگتے رہے۔

حریتِ فکر و نظر کی یہ تھی وہ اہمیت جس کی شدت کا احساس کرتے ہوئے آپ نے مئی 1964ء میں' کراچی میں' ارباب دانش و بینش کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

اگر ہم ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں پامال راہوں کو چھوڑ کر نئی راہیں اختیار کرنی ہوں گی۔ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہم کبھی اس رفتار سے آگے نہیں بڑھ سکیں گے جس سے ہمیں بڑھنا چاہئے۔ میں' درحقیقت' فکر کی دنیا میں' زیادہ سے زیادہ ''ملحد'' دیکھنا چاہتا ہوں۔

لیکن اس وقت حالت یہ ہے کہ آزادیِ فکر و نظر پر پہلے سے بھی زیادہ سنگین پہرے لگے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے اچھے اچھے لوگوں کو اس کی جرأت نہیں ہوتی کہ جو کچھ وہ کمروں

کے اندر کہتے ہیں اسے دروازے سے باہر نکل کر دہرا سکیں۔ اس قدغن کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگوں کے سینوں میں دل سہمے ہوئے ہیں اور وہ منافقت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ جو ذرا سی جرأت کرتا ہے وہ اپنے آپ کو اس پرہجوم معاشرہ میں تنہا پاتا ہے جس کی وجہ سے قدامت پرستی کی قوتیں اس پر چاروں طرف سے جھپٹ پڑتی ہیں۔ ماحصل اس کا یہ ہے کہ ہم فکر کی دنیا میں' اپنے دورِ غلامی کے مقام سے بھی پیچھے ہٹ چکے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری فکر (مغرب کی طرح) بدلگام نہیں ہوسکتی۔ اسے قرآن کی متعین کردہ حدود کے اندر ہی آزادی مل سکتی ہے۔۔۔ وہ میدان بڑا وسیع ہے۔۔۔ لیکن یہاں تو حالت یہ ہے کہ قوم کا طبقۂ جہلاء' فکر کی راہوں پر رہزن بن کر بیٹھا ہے اور اس کا اعلان یہ ہے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے جس نے اس سے ذرا سا بھی اختلاف کیا' اس پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جائے گا۔

جب تک ملک میں ایسے حالات پیدا نہ کئے جائیں جن سے صحیح فکر کی راہیں کشادہ ہوں' ہماری ہزار مادی ترقی بھی ہمیں انسانوں کی صف میں کھڑے ہونے کے قابل نہیں بنا سکے گی۔ اس سلسلہ میں کرنے کا کام یہ ہے کہ

1- مذہب کے نام پر جو دہشت فضا میں پھیلا دی گئی ہے اور پھیلائی جارہی ہے' اسے ختم کیا جائے۔ اور

2- آنے والی نسلوں کی تعلیم کا صحیح انتظام کیا جائے۔

تعلیم کا مسئلہ

قوموں کے مستقبل کا مدار کس طرح صحیح تعلیم پر ہے' اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ کو خود اس کا پورا پورا احساس ہے۔ آپ نے اپنے مشرق وسطیٰ کے دورہ پر' قاہرہ اور جدہ میں تقاریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

> ہمارے نظام تعلیم کا اولیں مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ہم اسلام کو توہم پرستی اور تقلید و جمود کے اس جالے سے نکالیں جو اس پر چاروں طرف سے تنا گیا ہے اور عصر حاضر کے علم اور سائنٹفک تحقیقات کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر' اسے آگے بڑھاتے جائیں..... اس ضمن میں سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہے کہ ہم اپنے ذہن کو ماضی کے جمود و تعطل سے آزاد کریں۔ دین کے ہر معاملہ میں دیانتدارانہ اور آزادانہ طور پر تحقیق کریں۔ اسلام پر اس انداز سے عمل کریں کہ وہ اس ایٹمی دور میں' زمانے کی برق رفتاری کا ساتھ دے سکے۔ یہ ہے وہ مقصد جس کے لئے ہم اپنے نظام تعلیم میں ایسی انقلابی تبدیلی پیدا کرنا چاہتے ہیں جس سے ہماری آنے والی نسلیں دینی اور دنیاوی تعلیم کے امتزاج

سے نہایت اچھے انسان اور نہایت اچھے مسلمان بن سکیں۔

یہ تھا ہمارے کرنے کا کام۔ لیکن اس ضمن میں بھی ہمیں پھر اس تلخ حقیقت کو دہرانا پڑتا ہے کہ ہم اسی مقام پر کھڑے ہیں جہاں ہم انگریز کے زمانے میں تھے۔ بلکہ اس سے بھی چار قدم پیچھے۔ اس زمانے میں ہمارے دینی مدرسے الگ ہوتے تھے اور دنیاوی مدرسے الگ۔ دنیاوی مدرسوں میں' گورنمنٹ اسکول اور کالج الگ ہوتے تھے اور اسلامیہ اسکول اور کالج الگ۔ ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہوتا تھا کہ اسلامیہ اسکولوں میں ایک پیریڈ دینیات کا ہوتا تھا۔ جس میں ''مسئلے مسائل'' پڑھائے جاتے تھے۔ آپ غور کیجئے کہ کیا ہمارا نظامِ تعلیم اس وقت بھی اسی راستے پر نہیں چلا جا رہا؟ باقی رہا یہ کہ ہم اس مقام سے بھی چار قدم پیچھے ہیں' سو وہ اس طرح کہ پہلے ہماری ''دینی تعلیم'' پرائیویٹ انتظامات کی رہینِ کرم ہوتی تھی۔ اب اسے خود حکومت کی سرپرستی حاصل ہے۔۔۔ حتیٰ کہ اوقاف کا اس قدر روپیہ (جو پہلے صرف ضائع جاتا تھا اب) اسی توہم پرستی اور قدامت پسندی کی ترویج اور فروغ کے لئے صرف کیا جاتا ہے جسے آپ نے قوم کی تباہی کا موجب بتایا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حدودِ پاکستان کے اندر تقسیم ہند کے وقت جس قدر مذہبی درسگاہیں تھیں آج ان کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔

جب حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں دین اور دنیا میں ثنویت نہیں تو پھر ہمارے نظامِ تعلیم میں دینی مکاتب اور دنیاوی درسگاہوں کی تفریق اور دنیاوی درسگاہوں میں مذہب کی تعلیم کے لئے ایک الگ پیریڈ کی تخصیص' چہ معنی دارد؟ ہمارے نظامِ تعلیم کی بنیاد اس اصول پر ہونی چاہئے کہ ہم طالب علموں کو سائنس پڑھائیں یا فلسفہ تاریخ کی تعلیم دیں یا سیاسیات کی۔ معاشی علوم کا نصاب زیرِ تدریس ہو یا معاشرتی کا۔ طلباء کو بتایا یہ جائے کہ ان علوم کو قرآن کی رو سے عطا کردہ مستقل اقدار کے تابع کس طرح رکھا جا سکتا ہے اور ان کی رو سے حاصل کردہ قوتوں کو وحی کی منشاء کے مطابق' نوعِ انسان کی بہبود کے لئے صرف کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح اسلام کی روح' اس پوری تعلیم کے رگ و پے میں اس طرح حلول کر جائے گی جس طرح ہماری فکر و دانش' پیچیدہ معاملات کے حل کرنے کی کوششوں میں غیر محسوس طور پر کارفرما ہوتی ہے۔ باقی رہی فقہ (یعنی اسلامی قانون) کی تعلیم۔۔۔ جسے آج کل ''مسئلے مسائل'' کہا جاتا ہے سو اس کا مقام ''لاء کالجز'' ہیں۔

لہٰذا' نظامِ تعلیم میں اس انقلابی تبدیلی کے لانے کے لئے جس کی طرف آپ نے اپنی محولہ بالا تقریر میں اشارہ کیا تھا' اولیں قدم یہ ہے کہ جداگانہ

مذہبی تعلیم کی درسگاہوں کو بند کیا جائے اور دین کی تعلیم کو' دنیاوی تعلیم کے عروق میں خونِ زندگی بنا کر دوڑا دیا جائے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس قسم کی انقلابی تبدیلی کے لئے جرأتِ رندانہ کی ضرورت ہوگی لیکن جب آپ کو یقین ہے کہ قوم کے مرضِ کہن کا چارہ اس کے سوا کوئی اور نہیں تو پھر اس .....تبدیلی کے راستے میں کسی بات کو حائل نہیں ہونا چاہئے۔ قابل سرجن کا ہاتھ نشتر اٹھاتے وقت کبھی کانپا نہیں کرتا۔

روٹی کا مسئلہ

لیکن یہ ساری تبدیلیاں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اسی صورت میں ثمر بار ہوسکتی ہیں جب قوم کے افراد زندہ رہیں اور یہ ظاہر ہے کہ انسانی زندگی کا مدار' روٹی پر ہے۔ اس حقیقتِ کبریٰ کا اعلان خود آپ نے 1959ء میں مری (کی کمشنرز کانفرنس) میں ان الفاظ میں کیا تھا کہ:

انسانی دل و دماغ کسی آئیڈیالوجی پر' خواہ وہ کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو' کبھی لبیک نہیں کہتا جب تک اسے دو وقت پیٹ بھرنے کا یقین نہ ہو جائے اس لئے اس امر کی بھی اشد ضرورت ہے کہ روٹی کے مسئلہ پر خاص توجہ دی جائے۔

''روٹی کے مسئلہ'' کے حل کے سلسلہ میں' مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام اور کمیونزم کے معاشی مسلک میں جو کشمکش جاری ہے' اس پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے ٹنڈو الہ یار کے اپنے خطاب میں فرمایا تھا:

آج دنیا دو کیمپوں میں بٹی ہوئی ہے اور ان کی باہمی کشمکش آئیڈیالوجی پر مبنی ہے۔ کمیونزم تہیہ کر چکی ہے کہ وہ اپنی آئیڈیالوجی تمام دنیا پر مسلط کر دے۔ مغرب' کمیونزم کا کوئی مؤثر اور مکمل جواب نہیں پیش کر سکا۔ اس لئے کہ اس کی آئیڈیالوجی بنیادی طور پر مادہ پرستی پر مبنی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو اقدار مادیت سے نمودار ہوتی ہیں نظام کائنات میں ان کا بھی ایک مقام ہے' لیکن وہ ایسی اہم نہیں کہ نوع انسانی ان کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دے۔ اندریں حالات کمیونزم کا ایک اور صرف ایک جواب ہے اور وہ جواب اسلام سے مل سکتا ہے۔ کمیونزم کے فلسفہ اور مغرب کی مادی اقدار کی کشمکش میں صرف اسلام ہی وہ فطری آئیڈیالوجی بن سکتا ہے جو روحِ انسانیت کو ہلاکت سے بچا سکتی ہے۔

لاریب۔ کمیونزم کے باطل فلسفہ اور مغرب کے انسانیت سوز سرمایہ دارانہ نظام کی کشمکش میں' اسلام ہی وہ آئیڈیالوجی پیش کرتا ہے جس پر قائم کردہ معاشی نظام انسانیت کو ہلاکت

سے بچا سکتا ہے لیکن ہم ہیں کہ ایک طرف تو یہ اعلان کرتے ہیں کہ مغرب' کمیونزم کا کوئی مؤثر جواب نہیں پیش کر سکا' اور دوسری طرف' خود اپنے ہاں مغرب کا معاشی نظام رائج کئے ہوئے ہیں اور اسی نظام سے کمیونزم کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مغرب کی آئیڈیالوجی جس مادہ پرستی کی مظہر ہے اس کی بنیاد اس عقیدہ پر قائم ہوتی ہے کہ:

انسان کے لئے کام کرنے کا جذبۂ محرکہ صرف مفاد خویش کی کشش ہے۔

اس عقیدہ کا فطری نتیجہ سرمایہ دارانہ نظام ہے جو اپنی ہستی کے جواز میں دلیل ہی یہ پیش کرتا ہے کہ اگر افراد کو ان کی کوششوں کے ماحصل کا مالک قرار نہ دیا جائے تو وہ کبھی جی بھر کر محنت نہیں کریں گے اور بدقسمتی یہ کہ خود ہمارے ہاں کا مذہبی طبقہ اس فلسفہ اور نظام کو عین اسلامی قرار دیتا ہے۔ مقام حیرت ہے کہ ایک طرف ہماری حالت یہ ہے کہ جب ہم تاریخ انسانیت کی بلند ہستیوں کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی بنیادی خصوصیت یہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے مفادِ خویش سے بلند ہو کر مفادِ انسانیت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی اور اس کے لئے وہ دن رات محنت کرتے اور مشقتیں اٹھاتے تھے اور دوسری طرف ہم اس عقیدہ کو ''فطرتِ انسانی'' کا تقاضا (اور اسلام کے عین مطابق) قرار دیتے ہیں کہ انسان کے لئے کام کرنے کا جذبۂ محرکہ صرف مفادِ خویش کی کشش ہے۔ کہا جائے گا کہ جن بلند ہستیوں کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے ان کا شمار مستثنیات میں ہوتا ہے۔ عام انسانوں کی ''فطرت'' ایسی نہیں ہوتی لیکن یہ دلیل بالبداہت باطل ہے۔ قرآن ایک ایسا فلسفۂ زندگی اور نظام حیات پیش کرتا ہے جس پر کاربند ہونے سے عام انسان' ان خصوصیات کے مالک بن جاتے ہیں جنہیں ہم مستثنیات کی صفات قرار دیتے ہیں۔ غلط نظام میں اس قسم کی خصوصیات کے حامل افراد کا شمار واقعی مستثنیات میں ہوتا ہے۔ لیکن قرآنی نظام میں یہی استثناء عمومیت بن جاتا ہے۔

لہٰذا' مغرب کی مادہ پرستی اور کمیونزم کی انسانیت سوزی کا ایک ہی علاج اور جواب ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنے ہاں قرآن کا معاشی نظام عملاً رائج کر دیں۔

آپ نے خود بھی یہی علاج بتایا تھا جب (ٹنڈو الہ یار کے خطبہ میں) فرمایا تھا کہ:

کمیونزم کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کو ماضی کے خلوت کدوں سے نکال کر عصر حاضر کی روشنی اور زبان میں پیش کیا جائے۔ اسے صرف ایک نظری آئیڈیالوجی کی حیثیت سے پیش نہ کیا جائے بلکہ ایک تمدنی' سیاسی' معاشی اور روحانی زندگی کے لئے مکمل ضابطۂ حیات کی حیثیت

سے پیش کیا جائے۔ یہی اسلام کی صحیح اور بنیادی پوزیشن ہے۔

یہی وہ نظام ہے جو ایک طرف' انسان کو مفاد خویش کی تنگنائے سے نکال کر' مفاد انسانیت کی وسیع فضاؤں میں اڑنے کی قوت عطا کر دیتا ہے اور دوسری طرف مملکت کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ اپنی اس بنیادی ذمہ داری سے بطریق احسن سبکدوش ہو سکے جس کی رو سے

اس مملکت کی حدود میں بسنے والا کوئی متنفس اپنی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہتا۔

واضح رہے کہ قرآنی نظام میں یہ مملکت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ہر متنفس کو بنیادی ضروریات زندگی بہم پہنچائے اور ہر فرد انہیں بطور اپنے حق کے مملکت سے طلب کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مملکت اپنی اس عظیم ذمہ داری سے اسی صورت میں عہدہ برا ہو سکتی ہے جب رزق کے سرچشمے اور وسائل پیداوار افراد کی ملکیت میں رہنے کے بجائے ملت کے اجتماعی کنٹرول میں رہیں۔ اس نظام کی مخالفت' مذہبی پیشوائیت اور سرمایہ دار طبقہ دونوں کی طرف سے ہو گی۔ اول الذکر اسے کمیونزم قرار دے کر الحاد اور بے دینی بتائے گا اور ثانی الذکر اسے بنیادی حقوق میں دست اندازی سے تعبیر کرے گا۔ لیکن یہ نہ تو کمیونزم ہے اور نہ ہی انسانیت کے بنیادی حقوق میں دست اندازی۔ یہ اس قرآن کریم کا نظام ہے جو انسانیت کے بنیادی حقوق کا سب سے بڑا محافظ ہے۔ اس سے انسانیت کے غصب شدہ حقوق کی بازیابی ہوتی ہے نہ کہ ان کا سلب ونہب۔ (یہ نظام کس طرح کمیونزم کے' باطل نظام کی ضد اور اسلام کا تقاضا ہے' اس کی وضاحت ہم متعدد مقامات پر کر چکے ہیں)۔ باقی رہا مخالفت کا سوال' سو وہ کونسی بنیادی تبدیلی ہے جو مخالفت کے بغیر عمل میں آ سکتی ہے؟ اسی لئے تو اقبالؒ نے کہا تھا کہ:

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے جرأت رندانہ

آپ نے اپنے انتخابی منشور میں کہا تھا کہ آپ کے پیش نظر حسب ذیل مقاصد ہیں۔

(1) طبقاتی تقسیم کا مٹانا۔

(2) دولت کی عادلانہ تقسیم۔

(3) غریب اور امیر کی تفریق ختم کرنا۔

(4) اشیائے ضروریہ کی اتنی قیمتیں مقرر کرنا کہ وہ ہر ایک کی دسترس کے اندر ہوں۔

(5) ہر ایک خاندان کے لئے سکونتی مکان مہیا کرنا۔

(6) ملک سے رشوت ستانی اور بدعنوانی کا ختم کرنا۔

یہ تمام مقاصد' قرآن کے معاشی نظام کی رو سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس کے سوا ان کے حصول کی کوئی اور شکل نہیں۔

صدر محترم! یہ ہیں وہ چند گزارشات جنہیں ہم سردست آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ صرف ہماری استدعا ہی نہیں۔ ملک کے کروڑوں دھڑکتے ہوئے

دلوں کی آواز ہے جسے ہم آپ کے گوش گزار کرنا اپنا انسانی اور ملی فریضہ سمجھتے ہیں۔

راعیٔ ملت! صدر مملکت کا منصب' بزرگ خاندان کا سا ہوتا ہے جسے اپنی مملکت (یعنی گھر کے اندر) اختیارات اس لئے حاصل ہوتے ہیں کہ وہ ہر فردِ خاندان کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرے۔ ہر متنازعہ فیہ معاملہ کا فیصلہ عدل و انصاف کے مطابق کرے۔ ہر ایک کی کمی کو پورا کرے۔ گھر کا نظم ونسق درست رکھے اور بچوں کی تعلیم و تربیت اس انداز سے کرے کہ وہ دنیا میں شریف زادے کہلائیں اور انسانوں کی صف میں ممتاز حیثیت حاصل کریں۔ جو باپ ان ذمہ داریوں کو پورا کرتا ہے' بچے اس کا دل سے احترام کرتے ہیں اور باہر والوں کی نگاہوں میں بھی اسے عزت حاصل ہوتی ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں قوموں کی زمام اقتدار آتی ہے' اللہ تعالیٰ ان کے متعلق کہتا ہے کہ:

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِن بَعْدِهِم لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (10:14)-

پھر' ہم نے' تمہارے پیش روؤں کے بعد' ملک کی حکومت تمہیں دی تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کس قسم کے کام کرتے ہو۔

آپ نے اس سے دیکھ لیا ہوگا کہ آپ کو حالیہ انتخاب میں جو کامیابی ہوئی ہے اس سے آپ پر کس قدر عظیم ذمہ داری عائد ہوگئی ہے۔۔۔ ایسی عظیم ذمہ داری جس کے احساس سے حضرت عمرؓ جیسے خلیفہ راشد نے' اپنی زندگی کے آخری لمحات میں' باچشم نم کہا تھا کہ اے کاش! میں امیر المؤمنین ہونے کے بجائے' گھاس کا تنکا ہوتا تا کہ ان ذمہ داریوں کی باز پرس سے بچ جاتا۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

کسی فرد کو کام کرنے کا موقع مل جانا' اس کی بڑی خوش بختی ہوتی ہے۔ ورنہ اکثر لوگوں کی کیفیت وہ ہوتی ہے جسے قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

حَتّٰٓى اِذَا جَاءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ O لَعَلِّيٓ اَعْمَلُ صَالِحاً فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُونَ (23:99-100)-

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آ جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے پروردگار! تو مجھے ایک بار پھر وہیں بھیج دے جہاں سے میں آ رہا ہوں تا کہ میں اچھے کام کر سکوں۔۔۔ جواب ملے گا کہ اب ایسا نہیں ہوسکتا۔ (وقت کا دھارا پیچھے کی طرف نہیں

مڑا کرتا)۔

آپ اس موقعہ کو غنیمت جانئے اور اس مقصد کو پورا کر جائیے جس کے لئے اس مملکت کو حاصل کیا گیا تھا اور جسے ہم آج تک صرف دہراتے چلے آ رہے ہیں۔۔۔ یعنی مملکت میں قرآنی نظام کا قیام۔۔۔ (جیسا کہ ہم نے عسکری انقلاب کے بعد لکھا تھا) اگر یہ مقصد آپ کے ہاتھوں پورا ہو گیا تو یقین مانئے' آپ کا نام جریدۂ عالم پر سورج کی کرنوں سے لکھا جائے گا۔ تاریخِ انسانیت' آپ کو اقوام عالم میں بلند ترین مقام عطا کرے گی۔ اور جب آپ بحضورِ داورِ داوار جائیں گے تو خود اسلام آگے بڑھ کر آپ پر' یہ کہتے ہوئے تبریک وتہنیت کے پھول برسائے گا کہ:

یہ ہے وہ مردِ بلند ہمت جس کی قوت بازو سے
زمانے میں میرا سکہ رواں ہوا۔

کس قدر خوش نصیب ہے وہ انسان جس کا انجام ایسا ہو۔ خدا کرے کہ یہ خوش نصیبی آپ کے حصہ میں آئے اور آپ' دنیا سے جاتے وقت' آسمان سے بصد فخر ومباہات کہہ سکیں کہ ؎

دیدۂ آغازم ۔۔۔۔ انجامم نگر

والسلام بصد احترام

خیر اندیش

ادارہ طلوع اسلام' لاہور

ماہنامہ طلوع اسلام

☆طلوع اسلام بلند پایہ علمی پرچہ ہے۔ ☆پاکستان کے ہر گوشے اور ہر طبقے میں گہری دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔ ☆پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی جاتا ہے۔ ☆اس میں شائع شدہ اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گزرتے ہیں۔ اس میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے۔

اشتہارات کے REVISED نرخ یہ ہیں

ٹائٹل کے صفحات	ایک بار	سال بھر کے لئے
بیرونی ٹائٹل	-/1500روپے	-/15000روپے
اندرونی ٹائٹل	-/1200روپے	-/12000روپے
اندرون صفحات		
پورا صفحہ	-/1000روپے	-/10000روپے
نصف صفحہ	-/500روپے	-/5000روپے
چوتھائی صفحہ	-/250روپے	-/2500روپے

☆مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔ ☆اشتہار شائستہ اور معیاری ہونا چاہئے۔
☆اجرت اشتہار مسودہ کے ہمراہ ارسال فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارہ

حقائق و عبر

مکہ میں جنات اپنی بستی چھوڑنے پر تیار نہیں۔عرب میڈیا

جنات بلیوں کی شکل میں پھرتے نظر آتے ہیں' زبردستی کی گئی تو پورے علاقے کو نقصان پہنچائیں گے: علماء

کراچی (خصوصی رپورٹ) عرب میڈیا کی رپورٹ کے مطابق سعودی عرب کے مقدس شہر مکہ کے نواح میں کئی مکانات ایسی جگہ تعمیر ہو گئے ہیں جہاں غیر مرئی مخلوق کا بسیرا تھا' قیمتی زمین پر عمارتیں بن جانے سے جنات بلیوں کی شکل میں پھرتے نظر آتے ہیں۔بعض شیوخ اور عاملین کے مطابق مکہ میں اس بستی میں موجود جنات اپنی اس بستی کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں اور جنات مقدس شہر ہونے کے باعث اس مقام کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔ علماء کا کہنا ہے کہ زبرستی کی گئی تو جنات پورے علاقے کو نقصان پہنچائیں گے۔ مکہ کے نواح میں موجود ایک گھر کے اندر اہل علاقہ کو خوفناک کالی بلیاں گھومتی نظر آئیں' مذکورہ گھر کے افراد نے بعض شیوخ اور عاملین سے رابطہ کیا تو انہوں نے فوری طور پر گھر خالی کرنے اور جنات سے ٹکر نہ لینے کا مشورہ دیا۔

(بشکریہ روزنامہ نوائے وقت لاہور (3)' 16 جولائی 2011ء)

☆☆☆

آیئے لُغات القرآن کی رُو سے دیکھتے ہیں کہ ''جنات'' کی حقیقت کیا ہے:

ج ن ن

جَــنٌّ کے معنے ہیں چھپالینا۔یہی اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں (ابن فارس)۔راغب نے کہا ہے کہ جَــنٌّ کے معنی کسی چیز کو حاسہ (نگاہ) سے پوشیدہ کر دینا ہیں۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاَى كَوْكَباً (6:76)- ''جب رات کی تاریکی نے اسے چھپا لیا تو اس نے ایک ستارہ دیکھا''۔ ویسے بھی ہر اس چیز کے لئے جو تم سے چھپ جائے قَدْ جَنَّ عَنْکَ کہتے ہیں۔جَنَنٌ قبر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ مردہ کو چھپا لیتی ہے اور خود میت اور اس کے کفن کو بھی۔جَــنِيْــنٌ جمع

اجِنَّۃٌ (53:32) اس بچہ کو کہتے ہیں جو ہنوز ماں کے پیٹ میں ہو۔ جُنَّۃٌ. اس ہتھیار کو کہتے ہیں جس سے آدمی اپنا بچاؤ کرے۔ ہر پردہ اور آڑ۔ جُنَّۃٌ اور مِجَنَّۃٌ ڈھال کو بھی کہتے ہیں۔ (تاج ومحیط)۔ (58:16)- لاَ جِنَّ بِھٰذا الْاَمْرِ کے معنی ہیں اس بات میں کوئی راز (پوشیدہ) نہیں۔ جِنَّۃٌ جنون کو کہتے ہیں (23:25)- دراصل عربوں کے ہاں مَجْنُوْنٌ کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ اسے جِنٌّ چمٹ گیا ہے (تاج)۔

دورِ توہم پرستی میں تمام وہ قوتیں جو انسانوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتیں اور جن کے متعلق اس زمانے کے انسان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا' دیوی دیوتا بن جاتی تھیں۔ انہی کو عرب (ان کے نگاہوں سے پوشیدہ ہونے کی بنا پر) جِنٌّ کہتے تھے۔ وہ فرشتوں کو بھی جِنٌّ کہا کرتے تھے' حالانکہ ان کی پرستش بھی کرتے تھے۔ راغب نے کہا ہے کہ اَلْجِنُّ کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک تو ان تمام مخفی قوتوں (روحانیّین) کے لئے جو حواس سے پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اس اعتبار سے جِنٌّ میں فرشتے بھی شامل ہوتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ ان مخفی قوتوں (روحانیّین) میں سے بعض کو جِنٌّ کہتے ہیں' اس طرح کہ جو روحانیّین نیک ہوتے ہیں (تاج و راغب)۔ اور جن میں نیک و بد دونوں شامل ہوتے ہیں وہ جِنّ کہلاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کے کئی مقامات میں جہاں جاہلیت عرب میں جنوں کی پرستش کا ذکر ہے وہاں جِنَّۃٌ سے مراد فرشتے ہی ہیں (مثلاً 37:158) وغیرہ (تاج و راغب)۔

ہماری زمین ابتدا میں ایک آتشیں گولہ تھی جسے ٹھنڈا ہو کر انسانی آبادی کے قابل بننے کے لئے لاکھوں اور کروڑوں برس لگ گئے۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب کرۂ ارض پر ہنوز انسانوں کی آبادی نہیں ہوئی تھی تو اس میں جو مخلوق یہاں بستی تھی اس میں حرارت برداشت کرنے کی قوت اور صلاحیت زیادہ تھی۔ اس کے بعد وہ مخلوق ختم (Extinct) ہو گئی اور اس کا جانشین (خلیفہ۔ دیکھئے عنوان خ۔ل۔ف) انسان ہوا۔ چونکہ اس (پہلی) مخلوق میں حرارت برداشت کرنے کی صلاحیت زیادہ تھی اور چونکہ اب وہ انسانوں کے سامنے نہیں ہے' ان کی نسل ختم (Extinct) ہو چکی ہے' اس لئے قرآن نے کہا ہے کہ وَالْجَآنَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُومِ (15:27)- انسان سے پہلے ہم نے ایک مخلوق کو جلتی ہوئی ہوا کی حرارت سے پیدا کیا تھا۔ وہ مخلوق اب تمہاری نگاہوں کے سامنے نہیں ہے۔ اس اعتبار سے اسے اَلْجَانُّ کہا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ اشیائے کائنات مادہ کی مرئی اور محسوس شکل میں آنے سے پہلے' مخفی توانائی (Energy) کی حالت میں تھیں۔ یہی توانائی اب مادہ کے اندر (Latent) صورت میں ہے۔

نگاہوں سے پوشیدہ ہونے' نیز اس کی خوئے

سرکشی کی وجہ سے' ابلیس کے متعلق بھی یہی کہا گیا ہے کہ وہ جِـــنّـــوں میں سے تھا (دیکھئے عنوان ب۔ل۔س اور ش۔ط۔ن)۔

قرآن کریم میں جِنّ اور اِنسٌ کے الفاظ متعدد مقامات پر اکٹھے آئے ہیں۔ ہم (ا۔ن۔س) کے عنوان میں بتا چکے ہیں کہ عربوں میں اَلْاِنْسُ ان قبیلوں کو کہتے تھے جو ایک مقام پر مستقل طور پر سکونت پذیر ہو جائیں لیکن جِنّ وہ قبائل تھے جو جنگلوں اور صحراؤں میں جگہ بہ جگہ پھرتے رہتے تھے اور اس طرح شہر والوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتے تھے۔ انہیں خانہ بدوش قبائل (Nomadic Tribes) کہا جاتا ہے۔ اب بھی دنیا میں جہاں جہاں اس قسم کے قبائل پائے جاتے ہیں وہ شہر والوں سے دور دور' جنگلوں اور بیابانوں میں رہتے ہیں۔ آج کل وسائل رسل و رسائل کے عام ہو جانے سے' ان قبائل اور شہر والوں کی زندگی میں بہت سے امور مشترک ہو چکے ہیں' اس لئے ان میں کوئی بنیادی بعد محسوس نہیں ہوتا لیکن جس زمانے میں ملنے جلنے کے وسائل اور نشر و اشاعت کے طریق عام نہیں تھے' شہر والوں اور ان خانہ بدوش' صحرا نشینوں کے تمدن و معاشرت' عادات و اطوار' خصائص و خصائل اور ذہنی اور نفسیاتی کیفیات وغیرہ میں اس قدر فرق تھا کہ یہ دونوں ایک نوع کے افراد نظر نہیں آتے تھے۔ عربوں میں یہ صحرا نشین قبائل بہت زیادہ تھے (انہیں بدّو یا اَعْرَابٌ کہا جاتا تھا) چونکہ قرآن کا پیغام شہریوں اور صحرا نشینوں سب کی طرف تھا اس لئے اس نے جِنّ و اِنْسٌ دونوں گروہوں کو مخاطب کیا ہے۔ ان مقامات پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہاں جِـــنّ سے مراد انسان ہی ہیں۔ یعنی وہ وحشی قبائل (Gypsis) جو جنگلوں اور صحراؤں میں رہا کرتے تھے۔ مثلاً سورۃ انعام میں ہے: یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ (6:130)- اے گروہ جن و انس' کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے۔ قرآن نے کسی رسول کا ذکر نہیں کیا جو جن تھا اور سورۃ اعراف میں اس کی تصریح کر دی کہ رسول' بنی آدم میں سے' انہی کی طرف بھیجے گئے تھے (7:35)- سورۃ جن اور سورۃ احقاف میں مذکور ہے کہ جنوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس قرآن سننے کے لئے آئی (دیکھئے 46:29, 72:1)۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ''جنوں'' کی طرف رسول انسانوں میں سے ہی ہوتے تھے۔ انہی سورتوں (سورۃ جن اور سورۃ احقاف) سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جو جن رسول اللہ ﷺ کے پاس قرآن سننے کے لئے آئے تھے وہ انسان ہی تھے۔ (وحشی قبائل میں سے عیسائی۔ یہودی اور مشرک)۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ اگر ''جن و انس'' اکٹھے ہو جائیں تو بھی اس قرآن کی مثل نہ بنا سکیں۔ سورہ انعام میں ہے کہ ''انس و جن'' کے سرکش لوگ انبیاء کی مخالفت کیا کرتے تھے

(6:113) سورۃ اعراف میں ہے کہ ''جن و انس'' میں اکثریت ان کی ہے جو عقل وفکر سے کام نہیں لیتے اس لئے وہ اہل جہنم ہیں (7:179)- سورۃ حٰم سجدہ میں ہے کہ اہل جہنم کہیں گے کہ ہمیں ''جن و انس'' میں سے بعض نے گمراہ کیا تھا (41:29)۔ سورۃ انعام میں ہے کہ اِنْسٌ کہیں گے کہ ہم جنوں سے فوائد حاصل کیا کرتے تھے اور جِنّ کہیں گے کہ ہم اِنْسٌ سے فائدے اٹھایا کرتے تھے (6:129)- سورۃ نمل میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے پاس جن و انس کے لشکر تھے۔ (27:17)- ان جنوں کے متعلق سورۃ سباء میں ہے کہ وہ ہیکل کی تعمیر کا کام کرتے تھے۔ مجسمے تراشتے تھے۔ لگن اور دیگیں بناتے تھے (34:13)- سمندروں میں غوطہ خوری سے موتی نکالتے تھے (21:82)- انہیں زنجیروں میں جکڑ کر رکھا جاتا تھا (38-37:38)- تورات میں اس کی صراحت موجود ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے صور کے بادشاہ سے صیدونی قوم کے آدمی جنگل سے لکڑیاں کاٹنے کے لئے مانگے تھے۔ چنانچہ یہ قبائل اور ''جبلیم''۔ پہاڑی قبائل۔ ان کے لئے لکڑیاں کاٹتے اور پتھر تراشتے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت سلیمانؑ نے فلسطین کے پہاڑی اور جنگلی (غیر بنی اسرائیل) قبائل میں سے ستر ہزار آدمیوں کو بطور مزدور اور دس ہزار کو درخت کاٹنے اور پتھر تراشنے پر متعین کیا تھا (دیکھئے کتاب سلاطین و کتاب تاریخ الایام)۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن میں ''جن و انس'' سے مراد وحشی اور متمدن انسان ہیں۔ انس جو مانوس تھے اور جن' جو وحشی اور غیر مہذب قبائل جنگلوں اور صحراؤں میں رہتے تھے۔ (مزید تفصیل کتاب ''ابلیس و آدم'' میں ملے گی)۔

اَلْجَانُّ زرد رنگ کے سیاہ چشم سانپ کو بھی کہتے ہیں (تاج) (27:10)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ جَانُ سے تشبیہ کی بنا پر بولا جاتا ہے۔ اِلْجَنُّ مِنَ النَّبْتِ شگوفوں اور پھولوں کو کہتے ہیں (تاج)۔ جُنَّتِ الْاَرْضُ کے معنی ہیں زمین پر سبز گھاس خوب پھیل گئی اور نگاہوں کو بھلی نظر آنے لگی (تاج)۔ جَنَّ النَّبَاتُ کے معنی ہیں پودے لمبے ہو گئے اور آپس میں خوب گتھ گئے۔ نَخْلَةٌ مَجْنُوْنَةٌ نہایت لمبا کھجور کا درخت (تاج)۔ جَنَّةٌ. کھجوروں اور انگوروں کے باغ کو کہتے ہیں۔ (اگر کسی باغ میں کھجوروں اور انگوروں کے درخت نہ ہوں دوسرے درخت ہوں تو اسے حَدِیْقَةٌ کہتے ہیں۔ جَنَّةٌ نہیں کہتے) (تاج)۔ لیکن راغب کا قول ہے کہ جَنَّةٌ ہر اس باغ کو کہتے ہیں جس کی زمین درختوں کی وجہ سے نظر نہ آئے (راغب)۔

قرآن کریم میں جَنَّةٌ کا لفظ بڑی جامع اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ قرآنی نظام پر عمل پیرا ہونے سے اس دنیا میں جس قسم کا فردوس بدوش معاشرہ متشکل ہوتا ہے اسے بھی جنت سے تعبیر کیا گیا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں حسن عمل کے جو خوشگوار نتائج سامنے آتے ہیں

انہیں بھی جنت ہی کہہ کر پکارا گیا ہے۔ قرآن پر عمل کرنے والوں (مومنین) کو اس دنیا میں جس قسم کا جنتی معاشرہ نصیب ہوتا ہے اس کی تفاصیل قرآن کے مختلف مقامات میں مذکور ہیں لیکن اسے اگر دو لفظوں میں سمجھنا چاہیں تو اس آیت کو سامنے لے آنا چاہئے جو آدم کی سرگذشت سے متعلق ہے۔ اس جنت کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَكُلَا مِنْهَا رَغَداً حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَـٰذِهِ الشَّجَرَةَ (2:35)- ''اس میں سے جہاں جی چاہے نہایت فراغت سے کھاؤ لیکن اس شجر کے قریب نہ جانا'' (شجر کے لئے دیکھئے عنوان ش۔ ج۔ ر)۔ یعنی جنت اس معاشرہ کا نام ہے جس میں زندگی کی تمام آسائشیں بافراط موجود ہوں۔ جہاں سامان زیست کی فراوانیاں ہوں۔ (صرف غذا ہی نہیں بلکہ لباس۔ مکان۔ یعنی تمام بنیادی ضروریاتِ زندگی (20:118-119) لیکن ان کا استعمال حدود اللہ (قوانین خداوندی) کے مطابق کیا جائے۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو اس معاشرہ کی بہاروں پر کبھی خزاں نہیں آئے گی۔ اسی لئے اسے تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (2:25) کہا گیا ہے۔ یعنی اس باغ کے نیچے آب رواں ہمیشہ جاری رہے گا۔ قرآن نے اس کی تفسیر ان الفاظ سے کر دی ہے أُكُلُهَا دَآئِمٌ وِظِلُّهَا (13:35) ''اس کے پھل اور دیگر آسائشیں ہمیشہ رہیں گی''۔ باقی رہے اعمال حسنہ کے وہ نتائج جو مرنے کے بعد سامنے آئیں گے' سو اگرچہ انہیں بھی جنت ہی سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ (32:17)- ''خدا نے اعمال کے بدلے میں آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو سامان چھپا کر رکھا ہے وہ کسی انسان کے حیطۂ ادراک میں نہیں آ سکتا''۔ اس زندگی کی کیفیات کے متعلق ہم آج کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جنت کی اس قدر تفاصیل دینے کے باوجود یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہ سب تمثیلی بیان ہے (13:35)-

لیکن اس دنیا کی جنت ہمارے سامنے آ سکتی ہے' اگر ہم اپنے معاشرہ کو قرآن کے متعین کردہ خطوط پر متشکل کر لیں۔ اس میں انسان کی خارجی اور داخلی زندگی کی تمام آسائشیں اور راحتیں موجود ہوں گی۔ لیکن اس سے بعد کی زندگی کی جنت کی کیفیت ہم سمجھ ہی نہیں سکتے اس لئے کہ ہمارا موجودہ شعور محسوسات کی حد سے آگے جا ہی نہیں سکتا۔ اس کے متعلق اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ اس دنیا میں جنتی زندگی بسر کرنے سے نہ صرف طبعی آسائشیں ہی ملتی ہیں بلکہ انسانی ذات (Personality) کی بھی نشوونما ہوتی جاتی ہے۔ اس سے انسانی ذات اس قابل ہو جاتی ہے کہ وہ اس زندگی کے بعد اگلے ارتقائی مراحل طے کر کے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکے۔ اس قسم کی انسانی ذات مرنے کے بعد جس مرحلہ میں پہنچتی ہے اس کا نام جنت ہے۔ وہ انسانی زندگی کی آخری منزل نہیں بلکہ آگے بڑھنے کا مقام ہے۔ اس لئے کہ وہاں بھی ''انسان کا نور اس کے آگے آگے چل رہا ہوگا'' (57:12)- اس کے برعکس جن کی ذات کی نشوونما

(Development) رک چکی ہوگی، جن میں آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہوگی، وہ اہلِ جہنم ہوں گے (دیکھئے عنوان جَھَنَّمَ وج۔ح۔م)۔ بہرحال، مرنے کے بعد کی جنت اور جہنم، مقامات نہیں ہیں، انسانی ذات کی کیفیات ہیں جن کی حقیقت ہم آج سمجھ نہیں سکتے۔ آج ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ کسی طرح اس دنیا کی جہنم (جس میں ہم سب مبتلا ہیں) جنت سے بدل جائے۔ یہ قرآنی نظام کی رو سے ہو سکے گا۔

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	160/-	سورۃ النمل	(27)	280	225/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورہ القصص	(28)	334	250/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	350/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	275/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	350/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	325/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	350/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	325/-
سورہ النحل	(16)	334	250/-	سورہ یٰسین	(36)	164	125/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	275/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	325/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	325/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	325/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	275/-				
سورۃ الانبیآء	(21)	336	225/-				
سورۃ الحج	(22)	380	275/-				
سورۃ المؤمنون	(23)	408	300/-				
سورۃ النور	(24)	264	200/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	275/-				
سورۃ الشعرآء	(26)	454	325/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)، 25/B، گلبرگ 2، لاہور، فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com

اَیام اللہ

ایک صاحب نے سوال فرمایا کہ قرآن کریم نے یوم کے بارے میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ خدا کا ایک ایک دن تمہارے حساب وشمار کے مطابق ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے 32:5 جبکہ دوسری جگہ فرمایا کہ پچاس پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے 70:4، اور یہ بھی فرمایا کہ کائنات چھ دنوں میں تخلیق کی گئی ہے، ان مقامات میں یوم سے کیا مراد ہے۔

محاورۂ عرب میں یوم کے معنی ایک دن کے علاوہ مطلقاً وقت، زمانہ، دور، Period، Stage کے بھی ہوتے ہیں۔ ان مختلف معانی کا تعین قرآن کریم کے سیاق و سباق سے ہوتا ہے، قرآن کریم نے فرمایا کہ تخلیق کائنات چھ ادوار میں ہوئی ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ (10:3, 7:54)- اللہ تعالیٰ نے دو ادوار میں تو زمین کو پیدا کیا خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ (41:9)- اور دو ادوار میں سموات کو پیدا کیا۔ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ (41:12)- اور دو ادوار میں مابینھما کو پیدا کیا۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ (50:38)- اس طرح زمین، آسمان، اور جو کچھ اس کے درمیان ہے، سب ملا کر مختلف چھ ادوار میں تخلیق کئے گئے ہیں، واضح ہو کہ یہ کائنات ایک دفعہ ہی وجود میں نہیں آئی تھی۔ جس طرح آج ہم اس کو دیکھ رہے ہیں، بلکہ لاکھوں سال گذرنے کے بعد تب جا کر زمین و آسمان نے موجودہ شکل اختیار کی ہے، ہوسکتا ہے کہ ان ادوار میں سے ہر دور میں کئی ملین سال لگ گئے ہوں، قرآن کریم سائنس کی کتاب نہیں ہے، اس لئے اس میں تمام سائنسی حقائق وتفصیلات بیان نہیں فرمائے ہیں، قرآن کریم کا اصل موضوع تو مستقل اقدار کے مطابق معاشرہ تشکیل کرنا ہے۔ البتہ ضرورت کے مطابق قرآن کریم سائنسی حقائق کی طرف اشارے کرتا چلتا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اس کے ان اشاروں میں سے کوئی بات حقائق کے خلاف ہو۔ کائنات کی تخلیق کے بارے میں قرآن نے جو

اشارے دیئے ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چھ ادوار کس طرح ہو سکتے ہیں۔

(1) بالکل شروع میں وہ دور (یوم) تھا جس میں سارا جہاں گیس کے ایک مجموعے کی شکل میں تھا۔

(2) پھر یہ کُرے تدریجی طور پر پگھلے' اور رہنے کے قابل ہو گئے۔

(3) پھر ایک دن نظام شمسی بنا اور زمین سورج سے الگ ہوگئی(21:30)-

(4) پھر ایک دن (یوم) زمین ٹھنڈی ہو گئی تا کہ جاندار اس میں رہ سکیں۔

(5) پھر ایک دن (یوم) میں سبزہ و درخت نمودار ہوئے۔

(6) پھر ایک دن وہ آیا کہ حیوان اور انسان بھی اس میں پیدا ہو گئے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ کائنات میں ارتقاء جاری ہے یَسْـاَلُهُ مَن فِیُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ کُلَّ یَـوْمٍ هُـوَ فِـیُ شَـاْنٍ (55:29)-اس کائنات کی تمام چیزیں اور تمام انسان' اپنی نشوونما کے لئے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے محتاج ہیں۔اوران اشیاء کی نشوونما کے تقاضے ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں۔ ربوبیت خداوندی ان کے تقاضوں کو پورا کرتی رہتی ہے اور اس طرح کائنات کا سلسلہ ارتقاء جاری ہے۔

اسی ارتقاء کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی مختلف سکیمیں روبہ عمل رہتی ہیں۔یُـدَبِّـرُ الْاَمْـرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ (32:5)-اللہ تعالیٰ عالم امر میں جو سکیم بناتا ہے وہ اپنی اس سکیم کو ارض سے شروع کرتا ہے۔اس سکیم کا جو پست ترین اور اولین مقام ہوتا ہے۔ اللہ اس کو وہاں سے شروع کرتا ہے۔ثُـمَّ یَـعْـرُجُ اِلَیْـهِ فِـیُ یَوْمٍ کَـانَ مِـقْدَارُهُ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ (32:5)- پھر وہ سکیم اپنے پست ترین مقام سے بلند ہوتی چلی جاتی ہے' یہ سکیم اپنی رفتار سے فاصلے طے کرتی ہے۔ یہ سکیم جو فاصلے طے کرتی ہے' اسکے ایک ایک دن ہمارے ایک ایک ہزار سال کے برابر ہوتے ہیں' بعض سکیمیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے فاصلے پچاس پچاس ہزار سالوں کے برابر ہوتے ہیں۔ یہ سکیموں کی نوعیت پر منحصر ہوتا ہے۔بعض سکیمیں اتنا فاصلہ جلدی طے کر کے تکمیل کے مدارج کو پہنچ جاتی ہیں' بعض سکیموں کی رفتار سست ہوتی ہے' قرآن کریم نے جو ہزار اور پچاس ہزار سال کا تعین کیا ہے وہ ان سکیموں کی رفتار کو پیش نظر رکھ کر ذکر کیا ہے۔ کائنات کی بعض چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں بھی ہزاروں سالوں میں ہوتی ہیں۔شروع میں جاندار مخلوق پیٹ کے بل چلتی تھی۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں سال کے بعد اس جاندار مخلوق نے اپنے ہاتھ اور پاؤں پر

چلنا شروع کیا۔ پھر لاکھوں سال کے بعد اسی مخلوق نے دو پاؤں پر چلنا شروع کر دیا اور اس طرح دونوں ہاتھ Spare ہو گئے۔ دونوں ہاتھوں کے Spare ہونے سے انسان کی دنیا میں بڑا عظیم انقلاب واقع ہوا۔ یہ طویل المیعاد سکیمیں بڑے بڑے وقفوں کے بعد مکمل ہوئی ہیں۔ اسی طرح جب پہلا جرثومہ حیات پیدا ہوا' اس نے زندگی کا سفر شروع کر دیا' وہ سفر لاکوں سال جاری رہا اور زندگی آج اس مقام پر پہنچی جس مقام پر وہ آج کھڑی ہے۔ اس سکیم کا ایک ایک دن ہمارے پچاس ہزار سال کے برابر تھا۔

قرآن کریم میں دو جگہ ایام اللہ کے الفاظ بھی آئے ہیں 14:5 ,45:14 ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيَّامِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ (14:5)- اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاؤ اور انہیں خدا کے وہ دن یاد دلاؤ (جن میں خدا کی بڑی بڑی قدرتیں ظاہر ہوئیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس میں تمام صبر و شکر کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اس آیت میں ایام اللہ بطور اضافتِ تشریعی کے استعمال ہوئے ہیں۔ ان ایام کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت دینے' ان ایام کی عظمت و عزت ظاہر کرنا مقصود ہے۔ جیسے بیت اللہ' شعائر اللہ' ناقۃ' یہ سب اضافات تشریعی ہیں۔ یوں تو سارے دن اللہ کے ہی ہوتے ہیں' لیکن وہ دن جن میں حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو آزاد کرا کے اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی وہ ایام اللہ تھے۔ اور جب بھی کوئی قوم' کسی جگہ بھی اسلامی نظام قائم کرنے کی کوشش کرے گی' اس کوشش کی عظمت و شرف کی وجہ سے وہ دن' ایام اللہ ہوں گے۔ اسلام کی تاریخ اور باقی تمام اقوام کی تاریخ کا یہ بنیادی فرق ہے کہ باقی تمام اقوام کی تاریخ محض واقعہ نگاری اور واقعات کا تحریری ریکارڈ ہوتی ہے۔ جبکہ اسلامی تاریخ حق و باطل کی کشمکش کی تاریخ ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں صدر اول کے بعد کبھی بھی اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔ اس لئے ہماری ساری تاریخ مسلمانوں کی تاریخ ہے۔ اس تاریخ کا کوئی تعلق اسلامی تاریخ سے نہیں ہے' صدر اول کے بعد سے ہماری تاریخ مسلمان قوم کی تاریخ ہے۔ اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کی تاریخ کا یہ بنیادی فرق سامنے نہ رکھنے کی وجہ سے بڑے مغالطے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم مسلمان بادشاہوں اور سلاطین کے عہد کی تاریخ کو اسلامی تاریخ کہہ دیتے ہیں۔ البتہ اس دور میں جبکہ تحریک طلوع اسلام نے اسلامی نظام کو اپنا ہدف اور مطمح نگاہ بنایا ہے' یہ تحریک جب فروغ پا کر حق و باطل کی کشمکش شروع کرے گی تو وہ یقیناً اسلامی تاریخ بھی ہوگی اور وہ ایام اللہ بھی ہوں گے۔ ہم تو اس دور

میں نہیں ہوں گے' لیکن جو حضرات اس تحریک کو اپنے خون سے سینچیں گے اور اپنا لہو اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے دیں گے' ان نیک بختوں اور سعادت مندوں کے لئے وہ ایام اللہ ہوں گے اور وہ ہی صابر اور شکور ہوں گے اور ان کو ہی ان آیات میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کی عملی ہدایات بھی ملیں گی۔ ہماری دلی دعائیں ان آنے والی نسلوں کی کامیابی کے لئے ہیں' جو قرآنی حکومت قائم کرنے کی کوشش کریں گی' اور جن کا دور ایام اللہ کہلانے کا مستحق ہو گا۔

تفسیر القرآن از۔ سرسید احمد خان

سابقہ سات جلدیں' دو خوبصورت جلدوں میں' ہدیہ -/1500 روپے علاوہ محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ: مکتبۂ اخوت' اخوت سنٹر' (مچھلی منڈی) اردو بازار' لاہور۔

فون: 042-37235951' موبائل: 0333-4298184

طلوع اسلام ٹرسٹ سے بھی دستیاب ہے۔ فون نمبر: 042-35753666

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآنِ مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔

WWW.QURANBREEZE.COM, WWW.TOLUISLAM.COM

سی ڈی اور کتب کی خریداری ☆ بیرون ملک bazmdenmark@gmail.com, PDF.EBOOK

☆ اندرون ملک' فون: 35753666 42 92+' ای میل: trust@toluislam.com

MATRIMONIAL

For our U.S. citizen graduate daughter, 29 years old, working in reputed firm, we are looking decent, educated & professional U.S./Pakistani aging 35 years. Contact with Bio-Introduction and picture via E-mail.

برائے رابطہ: شاہد نسیم

Email: shahid@ribbonbazaar.com, novum123@ribbonbazaar.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاوید چودھری

پہیلیاں

زندہ قوموں اور مردہ قوموں میں کیا فرق ہوتا ہے اس کا جواب چند ماہ قبل امریکا' بھارت اور ہالینڈ کے سائنسدانوں نے مل کر دے دیا۔

یہ جواب کیا تھا اس کے لئے ہمیں 323 سال پیچھے جانا پڑے گا۔ 323 سال پہلے آئرلینڈ میں ولیم مولی نیونام کا ایک فلسفی رہتا تھا' مولی نیو کی بیوی پیدائشی اندھی تھی اور وہ ہر چیز کی ہیئت اور نام کا اندازہ چھو کر لگاتی تھی۔ ہم نارمل لوگ چیزوں کو دیکھ کر ان کی ہیئت اور ناموں کا اندازہ لگاتے ہیں جبکہ نابینا لوگ چیزوں کے تعین کے لئے چھونے اور چکھنے دونوں صلاحیتوں سے کام لیتے ہیں۔ انگلیاں نابیناؤں کی آنکھیں ہوتی ہیں اور یہ لوگ انگلیوں کی پوروں سے وہ سارے کام لیتے ہیں جن کے لئے ہم آنکھیں استعمال کرتے ہیں۔ مولی نیو کی بیوی بھی چکھ اور چھو کر چیزوں کو محسوس کرتی تھی اور مولی نیو اسے اپنے اردگرد چلتے پھرتے اور چیزوں کو محسوس کرتے ہوئے دیکھتا رہتا تھا۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے مولی نیو کے ذہن میں عجیب خیال آیا' اس نے سوچا اگر میری بیوی کی بینائی لوٹ آئے تو کیا یہ صرف دیکھ کر گول کو گول' بیضوی کو بیضوی اور مکعب کو مکعب سمجھ لے گی۔ یہ ایک انوکھا خیال تھا اور اس وقت تک فلسفے' سائنس اور میڈیکل سائنس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ مولی نیو نے اپنے تمام ساتھیوں سے یہ سوال پوچھا' آئرلینڈ کے تمام دانشور اور سائنسدان سوچتے رہے لیکن کسی کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ جان لاک اس وقت برطانیہ کا مشہور فلسفی تھا' مولی نیو نے یہ سوال جان لاک کو بھجوا دیا' جان لاک بھی غور کرتا رہا مگر اسے بھی کوئی جواب نہیں ملا' جان لاک نے اس دور کے دوسرے مفکروں اور دانشوروں سے مدد طلب کی لیکن وہ بھی کوئی ٹھوس جواب نہیں دے سکے۔ یہ سوال اس کے بعد ایک پہیلی بن گیا اور یہ پہیلی مولی نیو کوئیسچن (Question) بن کر 323 برسوں تک دنیا بھر کے فلسفیوں' سائنسدانوں اور مائنڈ سائنسز کے ماہرین کے لئے معمہ بنی رہی' یہ لوگ اس پر سوچتے رہے' سوچتے رہے لیکن اس کے جواب کا کوئی سرا کسی کے ہاتھ نہ آیا یہاں تک کہ 2011ء آ گیا اور یہ سوال 323 سال کا فاصلہ طے کر کے امریکی سائنسدانوں کی میز پر پہنچ گیا' یہ

نوجوان سائنس دان تھے' انہوں نے سوچا اگر ہم اکیسویں صدی میں بھی اس کا جواب تلاش نہیں کر سکتے تو پھر ہم اور ہمارے علم کا کوئی فائدہ نہیں۔ ان سائنسدانوں نے بھارت اور نیدر لینڈ کے سائنسدانوں سے رابطہ کیا' ان تینوں ملکوں کے سائنسدانوں' محققوں' نیوروسائنٹسٹ اور دانشوروں کا ایک ٹرائیکا بنا اور انہوں نے مولی نیو کی 323 سال پرانی پہیلی پر تحقیق شروع کر دی اور ایک ہفتے میں سوا تین سو سال پرانا معمہ حل کر دیا۔

سائنس دانوں نے امریکا' بھارت اور نیدر لینڈ کے 8 سے 17 سال کے نابینا بچوں پر تحقیق کی' اس تحقیق کا ماخذ ''پرکاش'' نام کا پراجیکٹ تھا جس کے تحت پیدائشی نابیناؤں کی قوت بصارت بحال کی جاتی ہے۔ سائنسدانوں نے تینوں ممالک کے بچے لئے' بصارت کی بحالی سے پہلے ان سے گول اور مربع نما چیزوں کا تعین کرایا' اس کے بعد بچوں کی آنکھوں کا آپریشن کیا' بچوں کی بینائی بحال ہوئی تو ان کے ساتھ گول اور مربع نما چیزیں رکھیں اور ان سے پوچھا ''ان میں سے مربع نما چیزیں کون سی ہیں اور گول کون سی'' بچے ان میں سے گول اور مربع نما چیزیں الگ نہیں کر سکے بعد ازاں یہ چیزیں ان بچوں کے ہاتھ میں دے دی گئیں' بچوں نے انہیں چھو کر فوراً گول کو مربع نما چیزوں سے الگ کر دیا۔ اس تجربے سے ثابت ہو گیا جب اندھوں کی بینائی بحال ہوتی ہے تو یہ دیکھ کر چیزوں کی شیپ کا اندازا نہیں کر سکتے کیونکہ ان کا دماغ ان کے چھونے کی حس سے وابستہ ہوتا ہے اور یہ جب تک کسی چیز کو چھو کر محسوس نہ کریں یا کھانے والی چیزوں کو چکھ نہ لیں یہ اس وقت تک چیزوں کا تعین نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد دوسرا بڑا سوال یہ تھا کہ بصارت کی بحالی کے بعد یہ لوگ چیزوں کو آنکھ کے ذریعے کتنے دنوں تک شناخت کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب بھی دلچسپ تھا' اس تحقیق سے پتہ چلا یہ لوگ پانچ دنوں میں چیزوں کو آنکھ کے ذریعے شناخت کرنا سیکھ لیتے ہیں' ان کا دماغ 120 گھنٹوں میں گول کو گول اور مربع کو مربع سمجھ جاتا ہے اور اس کے بعد انہیں مربع اور گول کا تعین کرنے کے لئے چھونے کی ضرورت نہیں رہتی' یہ بس دیکھتے ہیں اور فیصلہ کر لیتے ہیں اور یوں 323 سال پرانی پہیلی حل ہو گئی۔

یہ ہے زندہ قوموں کا رویہ' زندہ قومیں سوا تین سو سال پرانی سائنسی پہیلیوں کا جواب بھی تلاش کر لیتی ہیں' یہ تاریخ کے ڈیپ فریزر میں رکھے جواب بھی کھوج لیتی ہیں جبکہ مردہ قومیں تاریخ کے جواب تلاش کرنے کی بجائے ان سوالوں کو انا بنا لیتی ہیں اور ان پر ایک دوسرے کا گلہ کاٹتی ہیں۔ آپ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کا پس منظر دیکھ لیجئے' ان تمام فرقوں نے تاریخ کے کسی نہ کسی ایسے سوال سے جنم لیا جس کا اس دور کے دانشور کوئی ٹھوس جواب تلاش نہیں کر

سکے' ہم لوگ آج بھی ناف پر ہاتھ باندھ کر یا سینے پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے پر ایک دوسرے کا سر پھاڑ دیتے ہیں' ہم آج بھی نماز میں دو پاؤں کے درمیان فاصلے کا تعین کرنے پر لڑتے ہیں' ہم آج بھی اس بات پر ایک دوسرے کو قتل کر دیتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد خلافت کے حقدار حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے یا پھر حضرت علیؓ۔ ہم آج بھی ایک دوسرے کے ساتھ یہ بحث کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ بڑی شخصیت تھے یا حضرت عمر فاروقؓ اور ہم آج بھی حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جنگوں پر ایک دوسرے کو واجب القتل قرار دیتے ہیں اور مرنے اور مارنے والے دونوں مسلمان بھی ہوتے ہیں' نمازی بھی ہوتے ہیں' حاجی بھی ہوتے ہیں اور بعض اوقات حافظ قرآن بھی ہوتے ہیں۔ ہم آج تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ ایک سانس میں تین طلاقیں دینے سے طلاق ہو جاتی ہے یا پھر طلاق کے لئے وقفہ ضروری ہوتا ہے اور ہم یہ بھی تعین نہیں کر سکے کہ دوبارہ عقد کے لئے حلالہ ضروری ہے یا پھر صدقے سے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جا سکتا ہے۔ غرض ہمارے کلمے سے لے کر حج تک اور وحی سے لے کر خلافت تک ہر جگہ 14 سو سال پرانا کوئی نہ کوئی سوال موجود ہے اور ہم اس کا جواب تلاش کرنے کی بجائے اس سوال پر ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں' آج ہم ماضی کے سوالوں کا جواب تلاش کیوں نہیں کرتے؟ ہم ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے' ہم نے مسجدیں اور قبرستان تقسیم کر رکھے ہیں اور ہم مسلمان ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے قبرستانوں اور مسجدوں پر حملے کر رہے ہیں۔ آخر کیوں؟ وہ اسلام جس کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جدید ترین مذہب اور مکمل ضابطہ اخلاق کا دعویٰ کیا تھا' ہم اکیسویں صدی میں ان سوالوں کے جواب تلاش کر رہے ہیں اور نہ ہی ان سوالوں کو ماضی کی قبروں میں دفن ہونے دے رہے ہیں۔ ہم چودہ سو سال سے ان سوالوں کی نعشیں کندھوں پر اٹھا کر اپنے جیسے لوگوں کے قتل کے فتوے جاری کر رہے ہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم جس شخص سے لڑ رہے ہیں' یہ ہمارا ہم عمر ہے اور ہم دونوں میں سے کوئی شخص تاریخ کے کسی تنازعے کا براہ راست ذمہ دار نہیں۔ ہم دونوں چودہ سو سال بعد پیدا ہوئے ہیں لیکن اس حقیقت کو جاننے کے باوجود ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں' ہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں اور ہماری اس اپروچ' ہماری اس سوچ نے ہمیں مردہ قوم بنا دیا۔ کاش ہم ماضی کی قبروں میں پڑی پہیلیوں کا کوئی حل نکال لیں یا پھر انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کر دیں اور زندہ قوموں کی طرح آگے بڑھیں۔ اکیسویں صدی میں اکیسویں صدی جیسے لوگوں کی طرح زندگی گزاریں' کاش ہم جان لیں سورج نکل چکا ہے اور اب آنکھیں موندنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

(بشکریہ روزنامہ ایکسپریس لاہور۔ 17-04-2011)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عطاء الحق قاسمی

attaul.haq@janggroup.com.pk

شیطان کی مجلس شوریٰ

رمضان المبارک کا چاند نظر آتے ہی مجھے ایک شیطان کا ایس ایم ایس موصول ہوا ''رمضان مبارک'' میں نے اسے جواب میں لعن طعن کی اور کہا ''بد بخت تو تو رمضان میں قید ہو جاتا ہے تو پھر یہ اچانک کہاں سے ٹپک پڑا؟'' جواب آیا ''شیطان قید ہوتا ہے' اس کے چیلے چانٹے تو قید نہیں ہوتے اور میں شیطان کا ایک ادنیٰ سا چیلا ہوں۔ میں نے پوچھا ''تم نے مجھے ایس ایم ایس کیوں کیا؟'' جواب ملا ''ایک تو رمضان کی مبارک دینے کے لئے اور دوسرا یہ پوچھنے کے لئے کہ کیا تمہارا روزہ ہے؟'' میں نے کہا ''الحمدللہ روزے سے ہوں!'' بولا ''میرا بھی روزہ ہے مگر لگ بہت رہا ہے!'' میں نے کہا ''اے شیطان لعین کے چیلے' تو نے روزہ کیسے رکھ لیا؟'' جواب آیا ''مسلمانوں کے گھر پیدا ہوا ہوں اور یوں بس عادت سی ہے ویسے بھی میں چاہتا ہوں کہ لوگوں پر میری اصلیت ظاہر نہ ہو' تب میں نے جانا کہ یہ کوئی آتشیں مخلوق نہیں ہے بلکہ یہ ہماری ہی طرح کا ایک عام انسان ہے۔ بس اس نے شیطان کے ہاتھ پر بیعت کر رکھی ہے سو میں نے اسے میسج کیا ''ایس ایم ایس پر وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔ کیا تم سے دو بدو ملاقات ہو سکتی ہے؟'' جواب آیا کیوں نہیں۔ کل تمہارے دفتر حاضر ہو جاؤں گا۔''

اور اگلے روز وہ میرے دفتر میں میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھا تھا' اس کے ساتھ شیاطین کا ایک پورا جلوس تھا۔ شیطان کے جس چیلے سے میری بات ہوئی تھی اس کی داڑھی مونچھ منڈی ہوئی تھی اور اس نے ارمانی کا بہت مہنگا سوٹ پہنا ہوا تھا' وہ بہت خوبصورت شخص تھا اور اس کا چہرہ بہت پُرنور لگ رہا تھا۔ اس کے ساتھ آنے والے دیگر افراد میں سے کچھ نے کلف لگے کرتے اور شلواریں پہنی ہوئی تھیں اور ان کے سروں پر کپڑے کی ٹوپیاں تھیں اور کچھ قمیض پتلون میں ملبوس تھے ان میں سے ایک شخص شرعی وضع قطع کا حامل تھا۔ چہرے پر گھنی داڑھی تھی اور مونچھیں کتری ہوئی تھیں۔ اس نے کاندھوں پر چوخانے والا رومال رکھا ہوا تھا اور ایک رومال سر پر باندھا ہوا تھا۔ شیطان کے چیلے نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ اس کی جعلی ادویات کی

فیکٹری ہے۔ دوسرے افراد کے بارے میں اس کا کہنا تھا ان میں سے کچھ گراں فروش ہیں' کچھ ہیروئن کا کام کرتے ہیں۔کئی ایک دشمن ملک کے ایجنٹ ہیں اور ملک میں دہشت گردی کی وارداتیں کرتے ہیں۔ایک صاحب قبضہ گروپ کے تھے۔ ایک اشیائے خورونوش میں ملاوٹ کرتے تھے ایک افسر تھے جو رشوت خور تھے' ایک صاحب دفاعی سودوں میں ناقص مال کی خریداری کے عوض لاکھوں ڈالر کمیشن وصول کرتے تھے' ان میں سے دوچار کرائے کے قاتل تھے۔ایک صاحب ذخیرہ اندوز تھے ان سب نے روزہ رکھا ہوا تھا مولانا کے بارے میں پتہ چلا کہ کوئی پائے کے عالم نہیں ہیں۔بس ایک مسجد میں امامت کراتے ہیں اور بہت بھولے بھالے ہیں۔شیطان کے چیلے نے کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھے الگ لے جا کر کہا تھا کہ مولانا کو پتہ نہ چلے کہ ہم لوگ شیطان کے چیلے چانٹے ہیں کیونکہ اس کے بعد انہیں ہمیں وہ چھوٹ دینے میں مشکل پیش آئے گی جو وہ ہمارے شیطانی کاموں کے ضمن میں ہمیں دیتے ہیں۔

تاہم میں نے مولانا کو مخاطب کیا اور کہا ''حضرت' یہ سب لوگ جو آپ کے ساتھ آئے ہیں ان سب نے مل جل کر امت محمدیہ کی زندگیاں اجیرن کی ہوئی ہیں' کوئی جعلی ادویات بنا رہا ہے' کوئی لوگوں کی جائیدادوں پر قبضہ کر رہا ہے۔کوئی ملک دشمنوں کے جعلی پاسپورٹ بنا کر انہیں دہشت گردی کے مواقع مہیا کر رہا ہے۔کوئی خلق خدا کو فائلوں کی بھول بھلیوں میں ڈال کر ان کی زندگی میں زہر گھول رہا ہے۔آپ کا ان کے ساتھ آنا مجھے کچھ بہت عجیب سا لگا ہے۔مولانا نے یہ سن کر تبسم کیا اور اپنی داڑھی میں انگلیوں سے ''خلال'' کرتے ہوئے فرمایا ''میں یہ سب کچھ جانتا ہوں لیکن یہ آپ نے تصویر کا صرف ایک رخ پیش کیا ہے۔ آپ کو شاید یہ علم نہیں کہ یہ سب لوگ ماہ رمضان المبارک میں پورے تیس روزے رکھتے ہیں۔ پنج وقت نماز ادا کرتے ہیں' تراویح پڑھتے ہیں۔ستائیسویں کی مبارک شب عبادت کرتے ہوئے گزار دیتے ہیں' صدقات' خیرات' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ یہ اچھے مسلمان ہیں۔ باقی ان میں جو چھوٹی موٹی کوتاہیاں ہیں اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کے صدقے میں ان سے درگزر کرے گا!'' میں نے عرض کی حضرت یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ انسانوں کے حقوق پامال کرنے والوں کی عبادات ان کے منہ پر ماردی جائیں گی'' بولے'' ہاں یہ تو ہے لیکن یہ لوگ ہیں تو مسلمان' کافر تو نہیں ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ مومن پر دوزخ کی آگ حرام ہے'' میں نے پوچھا'' تو کیا یہ لوگ مومن ہیں؟'' بولے'' کلمہ گو ہیں چنانچہ دوزخ میں نہیں جائیں گے۔''

میں نے عرض کی'' میں آپ سے متفق ہوں لیکن صرف اس صورت میں ان پر آتش دوزخ حرام ہوسکتی ہے اگر یہ سچے دل سے توبہ کریں تو توبہ کے بعد جو لوگ ان کے

ہاتھوں مرے ہیں' طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوئے ہیں۔ جن کے ساتھ انہوں نے دھوکا کیا ہے' جن کی جائیدادیں انہوں نے ہتھیائی ہیں' وہ ان سب کے نقصانات کی تلافی کریں اور آئندہ کے لئے ان دھندوں سے باز آ جائیں جن کی وجہ سے پاکستان کے اٹھارہ کروڑ لوگ ایک عذاب کی کیفیت میں مبتلا ہیں تو اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ان مظلوموں کے راضی ہونے پر ان کی ماضی کی خطائیں معاف کرسکتا ہے لیکن جن مظلوموں کی زندگیاں ان ظالموں نے ویران کر دی ہیں وہ انہیں کیسے معاف کریں گے؟ حقوق اللہ تو اللہ چاہے معاف کرسکتا ہے لیکن بندوں کے حقوق بندے ہی معاف کریں تو بات بنتی ہے!'' مولانا نے فرمایا ''ہاں یہ بات تو صحیح ہے'' میں نے پوچھا ''کیا آپ نے یہ بات ان شیاطین کو بتائی تھی؟'' مولانا بولے ''ایک آدھ دفعہ بتائی تھی لیکن میں زیادہ وقت صرف عبادات کے نتیجے میں ملنے والی جنت کی بشارتیں ہی انہیں سناتا رہا ہوں کہ شاید عبادات کے نتیجے ہی میں یہ اچھے مسلمان بن جائیں!''

شیطان لعین کا چیلا اس ساری گفتگو کے دوران خاموش رہا تھا لیکن گفتگو کے اس موڑ پر وہ خاموش نہ رہ سکا' اس نے مجھے مخاطب کیا اور کہا ''تم اخبار میں کالم لکھتے ہو! کیا سچ لکھتے ہو؟'' میں نے عرض کی ''کوشش تو کرتا ہوں'' بولا ''میں تمہاری کرتوتوں سے واقف ہوں' تم ڈھیر سارے جھوٹ میں ذرا سے سچ کی ملاوٹ کر دیتے ہو اور یہ دس فیصد سچ سو فیصد جھوٹ سے زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے۔ تم نے ماضی کے تمام طالع آزماؤں کی حمایت کی ہے جو جمہوریت پر شب خون مارتے رہے ہیں! تم بہترین لوگوں کو بدترین اور بدترین لوگوں کو بہترین ثابت کرنے میں لگے رہتے ہو۔ تم پاکستان کے بھولے بھالے عوام کو اپنے سحر انگیز قلم سے اسی عذاب میں مبتلا رکھنے کی کوشش کرتے ہو' جس عذاب میں ہم نے انہیں مبتلا کیا ہوا ہے۔ تم ہمیں میں سے ہو اور اس کے ساتھ ہی اس نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا اور پھر اپنی نشست سے اٹھ کر مجھے گلے لگا لیا اور کہا ''یار' بہروپ تو ہم نے بھی دھارا ہوا ہے لیکن تم ہم سے بڑے بہروپئے ہو کیونکہ لوگ ایک نہ ایک دن ہماری کرتوتوں سے واقف ہو جاتے ہیں جبکہ تمہارے پاس ایسا ہنر ہے جس کے ذریعے تم انہیں ساری عمر بے وقوف بنا سکتے ہو۔ ہم شیاطین کی مجلس شوریٰ میں امیر کی کمی تھی' ہم تمہیں اپنا امیر مانتے ہیں اور تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں''۔

اور اس کے ساتھ ہی شیطان کے چیلے ایک ایک کر کے میری طرف بڑھے اور میرے پاؤں کو چھو کر الٹے پاؤں واپس ہوتے چلے گئے' مولانا شاید اونچا سنتے تھے یا ایسے مواقع پر انہیں اونچا سنائی دیتا تھا چنانچہ وہ گم سم بیٹھے حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے!

(بشکریہ روزنامہ جنگ لاہور' 11-8-5)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نذیر احمد غازی (سابق جج ہائیکورٹ)
ghaziadvocate1@gmail.com

جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

آج کل دیارِ فرنگ میں انسانی زندگی کا مشاہدہ بہت سے پہلوؤں سے میسر ہے۔ راقم گذشتہ ایک ہفتے سے لندن اور برطانیہ کے دیگر شہروں میں دوستوں کی مجلس محبت کا لطف اٹھا رہا ہے۔ کالے اور گوروں کی طرز حیات کو قریب سے دیکھنے کا موقع حاصل ہے۔ اس لئے آج کے کالم میں بہت سی باتیں ایسی مشاہدات جدید سے متعلق ہوں گی۔ لندن میں کچھ دوستوں کا ہمیشہ اصرار رہتا تھا کہ میں پاکستانی نوجوانوں کو زیادہ وقت دیا کروں اور وہ اس حوالے سے بہت سی تقریبات کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان میں مذہبی تقریبات اور معاشرتی اجتماعات کے علاوہ کچھ لوگوں کے گھروں میں نجی ملاقاتوں کا سلسلہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی اداروں کے دورے بھی اس سفر کا حصہ ہوتے ہیں اور پاکستانی نوجوان اور دیگر اسلامی ممالک کے نوجوان یورپ میں اپنے دین سے نہایت جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں لیکن معاشرتی طور پر وہ اپنے آپ کو بہت زیادہ مضبوط نہیں سمجھتے اور وہ کسی درجے تک یورپ کی ثقافت کو اپنے اوپر غالب رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ دل مسلم کی امانت اپنے باطن میں محفوظ رکھتے ہیں اور ایک مستقبل بعید کا تصور ان کے ذہن میں بہرحال موجود رہتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کی قربت تلاش کرتے کرتے اپنے اجتماعی ملی تصور سے دور ہو جاتے ہیں اور ذہنی و عملی انتشار کا شکار ہو کر مغرب کے مکر و فریب کی زد میں آ جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی تعمیراتی قوتوں کو صحیح منزل نظر نہیں آ رہی ہے اور برطانیہ میں مسلمانوں کی سماجی حیثیت ماضی کی نسبت کچھ کمزور نظر آتی ہے اور ان کی نسل نو برطانیہ کے مضبوط سیاسی و سماجی نظام سے فی الحقیقت متاثر ہے۔ اس کا سبب وہاں کے معاشرتی قوانین کا استحکام اور حقوق و فرائض کی بجا آوری ہے۔ برطانیہ کا ہر شہری بغیر تفریق مذہب و ملت اپنے شہری حقوق سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنے معاشرتی فرائض کا پابند ہے۔ معاشرتی مساوات اور معاشرتی درجے بندی میں شہریوں کو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ طبقاتی نظام پیدا نہیں ہوتا۔ اداروں اور بازاروں میں حقوق و فرائض کو آپ متوازن انداز میں دیکھ سکتے ہیں۔ سماجی خرابیوں کے وہ اصول جو ہم نے پاکستان میں

اپنا رکھے ہیں۔ ان کا وجود برطانیہ میں نظر نہیں آتا۔ اس لئے مسلمانوں کی نسل نو کے نزدیک برطانیہ دنیا کی کامیاب ترین ریاست اس لئے ہے کہ ان کی آزادی اور حقوق کا تحفظ سرکار برطانیہ بہتر طور پر کرسکتی ہے۔ اس لئے وہ دین و مذہب کی پابندی کو اپنے اوپر غیر ضروری پابندی سمجھتے ہیں۔ معاشی طور پر برطانیہ کا ہر شہری اس لئے مطمئن ہے کہ بے روزگاری کی صورت میں اسے سرکار برطانیہ باقاعدہ وظیفہ دیتی ہے اور معاشرتی طور پر اس لئے خوش وخرم رہتا ہے کہ حکومت برطانیہ کے تمام ادارے اور خود اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہیں۔ کسی بھی شہری کو اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لئے کسی سیاسی لیڈر کا غلام نہیں بننا پڑتا۔ کسی بھی ریاست کی کامیابی محض نظریہ نہیں ہوتی۔ بلکہ عملی طور پر لوگوں کو راحت پہنچانے سے ریاست کے باشندے اپنی حکومت پر اعتماد کرتے ہیں لیکن ہمارے ملک میں تو حکومت پر اعتماد باشندے نہیں کرتے بلکہ سیاسی پارٹیوں کے مفاد پرست اور زرخرید غلام کارکن کیا کرتے ہیں۔ اس لئے ریاست اور عوام کا رشتہ بداعتمادی پر ہی قائم رہتا ہے۔

اب برطانیہ کے حالات میں مسلم کمیونٹی اپنا کردار ادا کرنے کے لئے بہت مستعد رہنا چاہتی ہے اور اپنے مسلم ممالک کے لئے بھی خدمات انجام دینے کا جذبہ رکھتی ہے مگر مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی قیادت نے بین الاقوامی سطح پر دیارِ فرنگ میں رہنے والے اصحابِ فکر اور نوجوانوں کو کسی حد تک مایوس کردیا ہے اور اس مایوسی کی وجہ یہاں پر مقیم وہ مذہبی اور سیاسی رہنما ہیں جو ہر وقت لڑائی اور سازش میں مصروف رہتے ہیں۔ یہاں پر جائیدادیں بناتے ہیں۔ عیش وعشرت کی زندگی گزارتے ہیں۔ بنک بیلنس بڑھا کر کارخانے لگانے کی تدبیریں کرتے ہیں اور پاکستان میں اپنے محروم اور یاس وحسرت کی تصویر کارکنوں کو خیرات بھجوا کر سیاسی سرگرمیوں (جو کہ حقیقت میں فسادی سرگرمیاں) کو نیا خون فراہم کرتے ہیں۔

حیران کن بات یہ ہے کہ ہماری بڑی سیاسی پارٹیوں کے قائدین اور رہبروں نے برطانیہ میں اتنی بڑی بڑی جائیدادیں، محل اور پلازے تعمیر کئے ہیں کہ برطانیہ کا کوئی بڑا لارڈ بھی حیرت سے غریب ملکوں کے امیر سیاسی لیڈروں کا منہ تکتا ہے لیکن ہمارے نام نہاد سیاسی رہنما اتنے مضبوط اعصاب کے مالک ہیں کہ شرمندگی کا لفظ ان کے کانوں تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔

دوسری جانب ہماری مذہبی قیادت ہے جو اپنے دین کی حقیقت سے بے بہرہ ہے اور عمل سے کوسوں دور اپنے دنیاوی مقاصد کے حصول کی خاطر غریب اور خوش فہم مسلمانوں کو لڑوانے کے لئے مناظروں کے سٹیج سجائے جاتے ہیں۔ پھر ان غریب الدیار مسلمانوں کو گروہ در گروہ تقسیم کرکے دنیائے یہودیت وعیسائیت کے مذموم ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

کسی بھی مسجد یا اسلامی ادارے میں چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے مسلکی مباحث سننے میں آتے

ہیں۔تحفظ عقیدہ کے نام پر جو بداخلاقانہ انداز تقریر اختیار کیا جاتا ہے۔اس انداز کو دیکھ کر تو غیر مسلم مسلمانوں پر نہ صرف ہنستے ہیں بلکہ بطور حوالہ لوگوں کو بتاتے ہیں کہ دیکھو یہ اسلام ہے اور حقیقت ہے کہ برطانیہ میں جن موضوعات پر علماء تقریریں کرتے ہیں اور زور خطابت دکھاتے ہیں۔وہ اتنے فروعی ہوتے ہیں کہ دین کی بنیاد ان میں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ موضوعات کسی بھی مسلمان کے بنیادی اعتقادات اور معاشرتی عمل کو مضبوط نہیں کرتے۔ دین کا آفاقی تصور اور دنیاوی زندگی میں انسانیت کی فلاح کا نظام کسی بھی مذہبی مقرر کی تقریر میں نظر نہیں آتا ہے۔ایک فرقہ دوسرے فرقے کی تکفیر یا کم از کم تذلیل کرنے کے لئے ایسے خوشنما اہتمام کرتا ہے کہ ایک عام سادہ مسلمان ان فرقہ پرست مذہبی لیڈروں کے موضوعات کو دین کی بنیاد اور مرکزیت سمجھ کر ان کی پیروی پر مجبور ہو جاتا ہے۔

نہایت شرمناک صورتحال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ان مذہبی مقررین کی تقاریر کے نتیجے میں مساجد میں دھینگا مشتی ہوتی ہے اور فسادات برپا ہوتے ہیں تو حکومتی اداروں کو مداخلت کرنا پڑتی ہے اور پھر وہ کتے لے کر مسجد میں داخل ہو جاتے ہیں۔مساجد کا احترام پامال ہوتا ہے اور مذہب کا تصور بدنام ہوتا ہے لیکن یہ خود پرست' خودنما مذہبی لیڈران اپنی انا کے تحفظ کے لئے دوسرے نفسانی حربے استعمال کرتے ہیں۔

آج کل برطانیہ میں ان مذہبی لیڈران کے نزدیک اسلام کا اہم ترین مسئلہ برطانیہ میں یہ ہے کہ کس صحابیؓ کو کس صحابیؓ پر فضیلت حاصل ہے اور اصحاب رسول ﷺ کا کونسا طبقہ زیادہ لائق عزت ومحبت ہے۔

اس سلسلے میں سخت زبان کا استعمال اور شدت پسند رویے کو اپنایا گیا اور پھر بات مناظرے تک پہنچی۔ یہ بات بڑھتے بڑھتے پولیس تک پہنچی اور پولیس اس بات کو ختم کرنے کے لئے کتے لے کر مسجد تک میں جا پہنچی۔

دیکھئے۔بات مذہبی قیادت سے شروع ہو کر کہاں تک جا پہنچتی ہے۔

قارئین کرام۔یورپ کا رویہ اسلامی ممالک کے ساتھ کیوں سخت ہے؟

اس کا جواب تلاش کرنے کے لئے کسی خصوصی توجہ کی ضرورت نہیں رہتی۔اس سلسلے میں ہمارے مذہبی اور معاشرتی رویے بہت سے جواب فراہم کر دیتے ہیں۔مغربی ممالک کو ہماری حیثیت کا نقشہ فراہم کر دیتے ہیں اور ان کو یہ سند جواز دیتے ہیں کہ وہ ہم سے حقیرانہ سلوک روا رکھیں۔

اقبال نے تو مسلم اثاثۂ علمی کو یورپ میں دیکھنے کے بعد یہ کہا تھا کہ..... ؎

جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

لیکن اب کچھ تبدیل کر کے اور تصور بدل کر یہ شعر پڑھنا چاہئے..... ؎

سیاسی مسخرے ہوں یا کہ فرقہ باز ملا ہوں

جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

(بشکریہ روزنامہ نوائے وقت لاہور' 11-7-2011)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد اکرم راٹھور' لاہور

قراردادِ مقاصد اور قرآن

ماہنامہ ترجمان القرآن کے مارچ 2011ء کے شمارے میں 'قراردادِ مقاصد' پاکستان کا اساسی دستور' کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا جس میں قیام پاکستان کے بعد پہلی دستور ساز اسمبلی میں 12 مارچ 1949ء کو منظور ہونے والی قراردادِ مقاصد کے متعلق قائدایوان وزیراعظم پاکستان نواب زادہ لیاقت علی خان کا اسمبلی میں خطاب اور اس کی تائید وتوصیف میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کا بیان چھپا ہے۔ اس میں قراردادِ مقاصد مندرجہ ذیل ہے:

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے' اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیارِ حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لئے نیابتاً عطا فرمایا ہے' اور چونکہ یہ اختیارِ حکمرانی ایک مقدس امانت ہے' لہٰذا۔۔۔

☆ جمہور پاکستان کی نمائندہ یہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے' کہ آزاد اور خودمختار مملکت پاکستان کے لئے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

☆ جس کی رو سے مملکت تمام حقوق و اختیاراتِ حکمرانی' عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے۔

☆ جس میں اصول جمہوریت وحریت' مساوات و رواداری اور سماجی عدل کو' جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے' پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

☆ جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے' کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر' اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول میں متعین ہیں' ترتیب دے سکیں۔

☆ جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے' کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبوں پر عقیدہ رکھ سکیں' اور ان پر عمل کر سکیں' اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

☆ جس کی رو سے وہ علاقے جو اب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہو گئے ہیں' اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں ایک وفاق بنائیں' جس کے ارکان مقرر کردہ حدود اربعہ و متعینہ اختیارات کے

ماتحت خودمختار رہوں۔

☆ جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے' اوران حقوق میں قانون واخلاق عامہ کے ماتحت مساوات' حیثیت ومواقع' قانون کی نظر میں برابری' سماجی' اقتصادی اور سیاسی عدل' اظہارِ خیال' عقیدہ' دین' عبادت اور ارتباط (میل جول اور باہمی تعلق) کی آزادی شامل ہو۔

☆ جس کی رو سے اقلیتوں اور پس ماندہ وپست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے۔

☆ جس کی رو سے عدلیہ کی آزادی مکمل طور پر محفوظ ہو۔

☆ جس کی رو سے وفاق کے علاقوں کی حفاظت' اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا جن میں اس کے بر و بحر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں' تحفظ کیا جائے۔

تاکہ۔۔۔۔

اہل پاکستان فلاح اور خوش حالی کی زندگی بسر کر سکیں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کر سکیں' اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود میں کما حقہ اضافہ کر سکیں۔

اس سلسلے میں علامہ غلام احمد پرویزؒ نے اپریل 1949ء کے طلوعِ اسلام میں 'لمعات' کے زیرِ عنوان یہ واضح کیا کہ پاکستان کے آئین کی صحیح اساس کیا ہوگی۔ دیگر نکات کے علاوہ آپ نے بتایا کہ اسلامی اصول مملکت صاف الفاظ میں یہ ہے کہ:

(i) مملکت کے آئین کی اصولی چار دیواری (حدود) مستقل اقدار پر قائم ہے جو مقتضیاتِ زمانہ یا انسانی میلانات وعواطف سے تغیر پذیر نہیں ہوتیں۔ بالفاظِ دیگر' اسلامی مملکت کا اصولی آئین' اقدار مستقلہ (Fundamental, Permanent values) کے تابع رہتا ہے۔ مصالح وقت (Expediency) کے ساتھ بدلتا نہیں رہتا۔

(ii) یہ مستقل اقدار' ذاتِ خداوندی نے متعین کی ہیں کیونکہ اس کی ذات تغیرات سے بلند ہے اور وہی مستقل اقدار دے سکتی ہے۔

(iii) یہ اقدار قرآن کریم کی دفتین میں محفوظ ہیں' ان میں تغیر وتبدل کرنے کا اختیار کسی کو تفویض نہیں کیا گیا۔

(iv) ان حدود (مستقل اقدار) کے اندر' ملتِ اسلامیہ پورے طور پر خودمختار ہے کہ اپنا آئین (Constitution) اور قانون (Law) خود وضع کر لے۔

'لمعات' کا ایک اور پیرایہ ہے:

''ہم جس حقیقت کو سو مرتبہ دھرا چکے ہیں اور ہزار

مرتبہ دہرائیں گے وہ یہی ہے کہ اگر مسلمان فی الواقعہ چاہتے ہیں کہ ان کا آئین اسلامی خطوط پر متشکل ہو جائے تو اس کی ایک ہی شکل ہے کہ وہ اپنے آئین کا محور و مرکز قرآن کو قرار دیں اور اس کے بعد تاریخ و اثر سے صرف انہی چیزوں کو بطور تائید و شہادت قبول کریں جس کی تائید قرآن سے ہوتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس مجلس میں وہ حضرت شامل ہوں جنہوں نے قرآن کے تدبر میں اپنی عمریں صرف کی ہیں اور وہ عصر حاضر کے تقاضوں سے بھی واقف ہیں۔''

جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے رہے کہ اسلامی نظام کا مقصد یہ ہے کہ:

(1) پبلک لاز تمام مسلمانوں کے لئے کتاب و سنت کے مطابق نافذ ہوں اور

(2) پرائیویٹ (شخصی) قوانین کی حد تک، مختلف فرقوں کی کتاب و سنت کی تعبیر اپنی اپنی ہو۔ بیس برس بعد جناب مودودی مرحوم نے اعلان کیا کہ: کتاب و سنت کی کوئی ایسی تعبیر ممکن نہیں جو پبلک لاز کے معاملہ میں حنفیوں، شیعوں اور اہلِ حدیث کے درمیان متفق علیہ ہو۔ (ایشیا۔23 اگست 1970ء)

اس کے بعد جب سید مودودیؒ سے پوچھا گیا کہ جب کتاب و سنت کی رو سے کوئی متفق علیہ ضابطۂ قوانین نہیں ہوسکتا تو پھر قانون سازی کی صورت کیا ہوگی۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ملک میں فقہ حنفی نافذ کر دی جائے۔ حالانکہ وہ خود فقہ کے سخت مخالف تھے۔ اس کے متعلق ان کے نظریات یہ تھے:

(1) مجتہد خواہ کتنا ہی باکمال کیوں نہ ہو، زمان و مکان کے تعینات سے بالکل آزاد نہیں ہوسکتا۔ نہ اس کی نظر تمام ازمنہ و احوال پر وسیع ہوسکتی ہے۔ لہٰذا اس کے اجتہادات کا تمام زمانوں میں اور تمام حالات کے مطابق ہونا غیر ممکن ہے۔ (تفہیمات۔حصہ دوم۔ پانچواں ایڈیشن۔ص426)

(2) بزرگانِ سلف کے اجتہادات نہ تو اٹل قانون قرار دیئے جاسکتے ہیں اور نہ سب کے سب دریا برد کر دینے کے لائق ہیں۔ صحیح اور معتدل مسلک یہی ہے کہ ان میں رد و بدل کیا جا سکتا ہے۔ (رسائل و مسائل۔ جلد دوم۔ ایڈیشن ستمبر 1969ء، ص282)

(3) یہ سلف کونسے انبیاءؑ تھے جن پر ایمان لانے کی مسلمانوں کو تکلیف دی گئی ہے۔ (تفہیمات۔حصہ دوم۔ص137)

(4) بنیادی نقص اس مسخ شدہ مذہبیت میں یہ ہے کہ اس میں اسلامی شریعت کو ایک منجمد شاستر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ (ترجمان القرآن۔ محرم 1360ھ)

(5) میں نہ مسلکِ اہلِ حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت ہی کا پابند ہوں۔ (رسائل و مسائل۔ حصہ اول۔ ستمبر 1951ء۔ ایڈیشن۔ ص235)

(6) میرے نزدیک صاحبِ علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ۔ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے۔ (ایضاً۔ ص244)

(7) انسان خواہ سراسر اپنی رائے سے اجتہاد کرے یا کسی الہامی کتاب سے اکتساب کر کے اجتہاد کرے، دونوں صورتوں میں اس کا اجتہاد دنیا کے لئے دائمی قانون اور اٹل قاعدہ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ انسانی تعقل اور علم ہمیشہ زمانہ کی قیود سے مقید ہوتا ہے۔ (تنقیحات۔ پانچواں ایڈیشن۔ ص120)

دستورِ پاکستان 1973ء کا آغاز بھی اسی قراردادِ مقاصد سے ہوتا ہے جو 1949ء میں پاس کی گئی تھی اور جسے ہر دستور میں بلا سوچے سمجھے داخل کر دیا جاتا رہا جس طرح مکتوبات کے اوپر سات سو چھیاسی لکھ دیا جاتا ہے۔

پاکستان میں اسلامی قوانین کی تدوین میں خود علماء کرام حائل ہیں کیونکہ ان حضرات کا مطالبہ ہے کہ:

1- اسلامی قوانین کی بنیاد کتاب و سنت پر ہونی چاہئے۔

2- دنیا میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں جس کے مندرجات کو تمام علماء (مختلف فرقے) متفقہ طور پر سنتِ رسول اللہ ﷺ تسلیم کر لیں۔

3- نہ ایسی کتاب موجود ہے۔ نہ یہ حضرات ایسی کتاب مرتب کر کے دیتے ہیں۔

4- انہیں اس کا اعتراف ہے کتاب و سنت کی رو سے پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطۂ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا، جسے مختلف فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔

5- یہ اعتراف بھی ہے اور اس کے ساتھ یہ مطالبہ بھی کہ کتاب و سنت کے مطابق ضابطۂ قوانین مرتب کیا جائے اور جب ایسا ضابطہ مرتب نہیں ہو پاتا تو دہائی مچا دی جاتی ہے کہ اربابِ اقتدار۔ مغرب زدہ دانشور۔ سوشلسٹ۔ کمیونسٹ۔ منکرینِ حدیث۔ ملحدین۔ مرتدین۔ یہ چاہتے ہی نہیں کہ یہاں اسلامی قوانین نافذ ہوں۔

طلوع اسلام لاہور کے اگست 2010ء کے شمارے میں ''کیا قائداعظم پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟'' کے عنوان سے علامہ غلام احمد پرویزؒ کا ایک نہایت اہم مضمون شائع ہوا جس کا آخری پیرا نیچے درج ہے:

مختصر الفاظ میں تھیاکریسی سے مراد ہے ایسا نظام حکومت جس میں انسانوں کے وضع کردہ احکام و قوانین کو احکام خداوندی کہہ کر نافذ کیا جائے اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو مرتد قرار دے کر حوالہ دار و رسن کر دیا جائے۔ ان مظالم کی بنا پر تھیاکریسی کے خلاف جو ردعمل ہوا اسے سیکولرازم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نظام کے حامیوں نے کہا کہ مذہب کو مملکت اور حکومت سے کوئی واسطہ نہیں۔ مذہب کا دائرہ گرجا کی چار دیواری تک محدود ہے۔ مملکت کے معاملات' قوم کی منشاء کے مطابق' کسی قسم کی حدود و قیود کے بغیر' آزادانہ طے پائیں گے۔ انہوں نے مذہب کے لبادہ کے ساتھ' اخلاقی اقدار و اصول کی ''صدری'' کو بھی اتار کر دور پھینک دیا۔ یہ ہے سیکولر نظام حکومت جس میں قانون سازی کے کلی اختیارات' کسی قسم کی حدود و شرائط کے بغیر' قوم (انسانوں) کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس وقت یہ نظام حکومت (کم وبیش) ساری دنیا میں رائج ہے (اور ساری دنیا اس کے ہاتھوں نالاں بھی ہے)۔

جب انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کی تو انہوں نے دیکھا کہ اس ملک کے باشندے سخت قسم کے مذہب پرست واقعہ ہوئے ہیں۔ اس بنا پر انہوں نے سوچا کہ یہاں یورپ کی شکل کی سیکولرازم چل نہیں سکے گی۔ انہوں نے اس میں یہ ترمیم کی کہ قوانین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک شخصی قوانین۔(Personal Laws) اور دوسرے ملکی قوانین (Public Laws) انہوں نے کہا کہ شخصی قوانین کی حد تک ہر شخص کو آزادی ہو گی کہ وہ اپنے عقیدہ اور مسلک کے مطابق ان کا اتباع کرے لیکن پبلک لاز میں مذہب کو کوئی دخل نہیں ہو گا۔ یعنی انہوں نے پرسنل لاز کی حد تک' تھیاکریسی رائج کر دی اور پبلک لاز کے لئے سیکولرازم' ہمارے مذہب پرست طبقہ نے اسے مذہبی آزادی سے تعبیر کیا اور وہ اس کے لئے سلطنت انگلشیہ کا بے حد شکر گزار رہا۔ خود ہمارے ہاں کی ملوکیت نے بھی یہی مسلک اختیار کر رکھا تھا۔ تحریک پاکستان کے دوران' یہی موقف

(ہندوؤں اور) نیشنلسٹ علماء کا تھا اور اسی کو ساتھ لے کر وہ پاکستان آئے۔ ان کے برعکس اقبالؒ اور قائداعظمؒ نے اسلامی مملکت کا تصور اور مطالبہ پیش کیا۔

اسلامی مملکت میں حق حکومت نہ مذہبی پیشوائیت کو حاصل ہوتا ہے نہ ملک کے دیگر باشندوں کو' یعنی وہ تھیاکریسی' سیکولرازم یا انگریزوں کی وضع کردہ تھیاکریسی + سیکولرازم' سب کے خلاف ہوتی ہے۔ اس میں حق حکومت خدا کی کتاب (قرآن مجید) کو حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں وہ اصول اور اقدار دیئے گئے ہیں جو ابدی اور غیر متبدل ہیں۔ مملکت کا فریضہ ان اصول و اقدار کو نافذ کرنا ہوتا ہے۔ ان کی تنفیذ کے طور طریقے قوم (امت) کے باہمی مشورہ سے طے کئے جاتے ہیں۔ انہیں آپ جزئی قوانین کہہ لیجئے۔ شرط اس میں بھی یہ ہوتی ہے کہ یہ قرآن کے کسی اصول و اقدار سے ٹکرائیں نہیں۔ ان میں پبلک لاز اور پرسنل لاز کی کوئی تفریق اور تمیز نہیں ہوتی۔ پبلک لاز کی طرح ان سب کا اطلاق ملک کے تمام مسلم باشندوں پر یکساں ہوتا ہے۔ یہ قوانین زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتے رہیں گے اور قرآنی اصول و اقدار (جنہیں حدود اللہ کہہ لیجئے) ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے۔ اس مشاورت کی عملی شکل کیا ہوگی' اسے بھی امت' باہمی مشورے سے (مندرجہ بالا شرط کے تحت) خود طے کرے گی۔

یہ ہیں اسلامی مملکت کے نمایاں خط و خال..... قرآن کریم نے بہ نص صریح کہہ دیا ہے کہ اس کے سوا جو نظام حکومت بھی ہے وہ کافرانہ نظام ہے' ارشاد خداوندی ہے:

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (5:44)-

جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہی کافر ہیں۔

ان تصریحات سے یہ حقیقت آپ کے سامنے آ گئی ہوگی کہ جو چیز اسلامی نظام مملکت کو غیر اسلامی نظام سے متمیز اور ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی مملکت میں قانون سازی کے اختیارات ان اصول و اقدار خداوندی سے مشروط اور ان کے تابع ہوتے ہیں جنہیں حدود اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ حدود منزل من اللہ ہوتے ہیں اور ابدی اور غیر متبدل۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو متعدد

مقامات میں دہرایا ہے۔ سورہ الانعام میں ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقاً وَعَدْلاً لاَّ مُبَدِّلِ لِكَلِمَاتِهِ (6:115)-

''تیرے رب کے اصول وقوانین' صدق و عدل کے ساتھ مکمل ہو گئے۔ اب ان میں کوئی اتھارٹی تبدیلی نہیں کرسکتی''۔

(نیز 27:18, 34:6) سورۃ یونس میں ہے: لاَ تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّهِ (10:64)- ''قوانین وحدود خداوندی میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا''۔ اس کے برعکس دنیا کے ہر نظام میں (خواہ وہ ملوکیت ہو خواہ آمریت اور خواہ مغرب کی جمہوریت) قانون سازی کے اختیارات پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہوتی' یہی بنیادی تخصیص' اسلامی اور غیر اسلامی نظام میں مابہ الامتیاز ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قائداعظمؒ پاکستان میں سیکولر سٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے' تو پھر مسلمانوں کے لئے جداگانہ مملکت کی وجہ جواز باقی نہیں رہتی۔ جو لوگ بددیانتی سے ایسا کہتے ہیں ان کا مقصد یہی ہے۔ اقبالؒ اور قائداعظمؒ نہ سیکولر سٹیٹ چاہتے تھے' نہ تھیاکریٹک سٹیٹ' وہ خالصتاً **قرآنک سٹیٹ** متشکل کرنا چاہتے تھے۔

بلاشک یہ حقیقت ہے کہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ نہ سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے' نہ تھیاکریٹک سٹیٹ' وہ خالصتاً قرآنک سٹیٹ متشکل کرنا چاہتے تھے۔ قائداعظم نے بحیثیت گورنر جنرل فروری 1948ء میں اہل امریکہ کے نام اپنا پیغام براڈ کاسٹ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ تھیاکریسی کہتے کسے ہیں' اسے انہوں نے اپنے اس پیغام میں واضح کر دیا تھا جو انہوں نے بحیثیت گورنر جنرل' فروری 1948ء میں اہل امریکہ کے نام براڈ کاسٹ کیا تھا۔ اس میں انہوں نے پاکستان کے دستور کے متعلق فرمایا تھا.....

''پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے میں نہیں جانتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہوگی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار جمہوری انداز کا ہوگا۔ اسلام کے یہ اصول بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہوسکتے ہیں جس طرح وہ تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ اسلام نے ہمیں وحدت انسانیت اور ہر ایک کے ساتھ عدل و دیانت کی تعلیم دی ہے۔ آئین پاکستان کے مرتب کرنے کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں' ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔ کچھ بھی ہو' یہ امر مسلمہ ہے کہ پاکستان میں کسی

صورت میں بھی تھیا کریسی رائج نہیں ہوگی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعم خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔''

(تقاریر بحیثیت گورنر جنرل، ص 65)

لیکن عملاً ہوا یہ کہ اقبالؒ 1938ء میں ہی وفات پا گئے اور قائداعظمؒ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد 1948ء میں ہی رحلت فرما گئے۔ اور انہیں پاکستان کو قرآنک سٹیٹ بنانے کا موقع نہ ملا۔ ان کی رحلت کے بعد پاکستان تھیا کریسی کا شکار ہوگیا اور اب تک مسلسل تھیا کریسی کے نرغے میں ہے اور متواتر زوال پذیر ہے۔ جب کہ بھارت سیکولر سٹیٹ ہوتے ہوئے روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ 18 اکتوبر 2010ء کے روزنامہ الشرق انٹرنیشنل لاہور میں شائع ہونے والے کرنسی ریٹ کے مطابق بھارتی روپے کی قیمت خرید 1.85 پاکستانی روپوں اور قیمت فروخت 1.95 پاکستانی روپوں کے برابر ہے۔ اس وقت بنگلہ دیش بھی جو تقریباً چالیس سال پہلے پاکستان سے الگ ہوا، بطور سیکولر سٹیٹ ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق فیصل آباد، جسے پاکستان کا مانچسٹر کہا جاتا تھا، سے ٹیکسٹائل انڈسٹری بنگلہ دیش شفٹ ہونا شروع ہوگئی ہے۔

طلوع اسلام کے فروری 2011ء کے شمارے میں ''پاکستان اور دین اور سیاست'' کے عنوان سے شائع ہونے والے حنیف رامے مرحوم کو دیئے گئے خصوصی انٹرویو میں ایک سوال کے جواب میں پرویزؒ نے فرمایا تھا:

''..... میں نے اس باب میں، حنیف صاحب! کئی مرتبہ کہا ہے کہ ہمیں ایک مرتبہ بیٹھ کر فیصلہ کر لینا چاہئے کہ اگر ہم یہاں اسلامی نظام کا قیام چاہتے ہیں، یعنی وہ نظام جس کے لئے پاکستان مانگا گیا تھا اور حاصل کیا گیا تھا..... تو ہمیں اس نظام کو خالصتاً نافذ کرنا ہوگا لیکن اگر ہم اپنے میں اس کی ہمت نہیں پاتے تو پھر ہمیں کھلے بندوں مغرب کا سیکولر نظام قبول کر لینا چاہئے تاکہ معاملہ یک سو تو ہو.....''

آیاتِ مبارکہ 25:30 یعنی وَقَالَ الرَّسُولُ يَارَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوراً O اور وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ O کو نظر انداز کرنے کے نتیجے میں مسلمانوں کا دنیا میں اور خصوصاً مسلم ممالک میں بہت ہی برا حال ہے۔ مسلسل اہانت اور تنزلی بلکہ 'عذاب' الیم' میں مبتلا ہیں 22-3-2011 کے روزنامہ نوائے وقت لاہور کے مطابق امریکی ملعون ٹیری جونز کے زیر نگرانی فلوریڈا کے چرچ میں وہاں کے پادری ملعون ویف سے مل کر قرآن

پاک کو نذر آتش کر کے پوری دنیا کے مسلمانوں کے جذبات کو سخت ٹھیس پہنچائی گئی ہے۔ اب تمام مسلم ممالک کے لئے لازمی ہو گیا ہے کہ وہ علامہ محمد اقبالؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کے پروگرام کے مطابق خالص قرآنی نظام بلا تاخیر قائم کر کے دین و دنیا میں سرخرو ہوں کیونکہ بقول اقبالؒ

گر تو مے خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

ورنہ کھلے بندوں خالص مغرب کا سیکولر نظام قبول کر کے دنیا کی ترقی میں تو مزید پیچھے نہ رہیں تاکہ زمانہ یہ نہ کہے کہ قبضے سے بیچاری امت کے دیں بھی گیا دنیا بھی گئی

نظریۂ خیر

ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین ڈاکٹر انعام الحق صاحب کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ بعنوان ''نظریۂ خیر' فلسفۂ اخلاق اور قرآن کی روشنی میں' شائع ہو گیا ہے۔ یہ فکر انگیز تصنیف ادارہ طلوع اسلام 25 بی' گلبرگ 2' لاہور سے دستیاب ہے۔ 534 صفحات کی اس کتاب کی قیمت -/300 روپے ہے۔ 50 فی صد کی خصوصی رعایت کے بعد صرف -/150 روپے میں علاوہ ڈاک خرچ ادارہ طلوع اسلام سے دستیاب ہے۔

بایزید یلدرم

صابر صدیقی صاحب کا نام طلوع اسلام کے حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ طلوع اسلام ٹرسٹ سے ان کی کتابیں ابلۂ مسجد' اور کن فیکون شائع ہو کر قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ''بایزید یلدرم'' ان کا ایک تاریخی ناول ہے جو انہوں نے بہت محنت سے لکھا ہے۔ یہ ناول ادارہ طلوع اسلام سے رعایتی قیمت -/150 روپے علاوہ ڈاک خرچ میں دستیاب ہے۔

پلاٹ برائے فروخت

Litigation Free پلاٹ نمبر 25۔اے' احباب کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لاہور برائے فروخت ہے۔ خریدنے کے خواہش مند درج ذیل پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

فون نمبر: 042-35961809' موبائل: 0346-4318077

پاکستان میں

غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
اسلام آباد	برمکان ڈاکٹر انعام الحق، مکان نمبر 302، سٹریٹ نمبر 57، سیکٹر F-11/4 رابطہ: ڈاکٹر انعام الحق، فون نمبر 051-2290900	بروز اتوار	11AM
اوکاڑہ	برمکان احمد علی، بیت الحمد 4-AB-180، شادمان کالونی، ایم۔اے جناح روڈ، نزد مبارک مسجد رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325، موبائل: 0321-7082673	بروز جمعہ	3PM
پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین۔ رابطہ ڈاکٹر محمد سلیم قمر تحصیل کبیر والا	بروز جمعہ	3PM
جہلم	جنجوعہ ٹاؤن، پوسٹ آفس فوجی ملز، نزد بیکن ہاؤس سکول۔ رابطہ قمر پرویز	ہر ماہ پہلی اور آخری اتوار	4PM
چوٹی زیریں	بردوکان لغاری برادرز زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔ رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔ موبائل: 0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 بجے دن
چنیوٹ	11/9-W، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: آفتاب عروج، فون: 047-6331440-6334433، موبائل نمبر: 0345-7961795	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
حیدرآباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری، B-12، حیدرآباد ٹاؤن، فیز نمبر 2، قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔ رابطہ موبائل: 0336-3080355	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک۔ رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0331-5035964	بروز جمعہ بروز اتوار	4PM 4PM
راولپنڈی	برمکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر 4، راہِ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ، نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔ رابطہ: رہائش: 051-5573299، موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10AM
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان، محلہ نظام آباد وارڈ نمبر 9 خان پور، ضلع رحیم یار خان رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔ فون نمبر گھر: 068-5575696، دفتر: 068-5577839	بروز جمعہ	3PM
سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹر سٹی، سٹی ہاؤس، سٹی سٹریٹ، شہاب پورہ روڈ، رابطہ: محمد حنیف 03007158446۔ محمد طاہر بٹ 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار	5PM

سرگودھا	B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-711233	بروز منگل	7PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر، فرسٹ فلور، مین ڈگلس پورہ بازار، رابطہ: محمد عقیل حیدر، موبائل: 0313-7645065	بروز جمعہ	4PM
فتح پور، سوات	فتح پور، سوات، رابطہ: خورشید انور، فون: 0946600277، موبائل: 0315-9317755	بروز اتوار	3PM
	محترم ظاہر شاہ خان آف علی گرام، سوات کا ڈیرہ۔ موبائل: 0346-9467559	ہر اتوار	9AM
کراچی	105 سی بریز پلازہ، شاہراہ فیصل۔ رابطہ شفیق خالد، فون نمبر: 0300-2487545	بروز اتوار	10AM
کراچی	A-446 کوہِ نور سنٹر، عبداللہ ہارون روڈ، رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-35892083، موبائل: 0300-2275702	بروز اتوار	10AM
کراچی	ڈبل اسٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، کورنگی نمبر 5، ایریا 36/C، پوسٹ کوڈ 74900	بروز اتوار	2PM
	رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409، موبائل: 0321-2272149		
کراچی	نالج اینڈ ویزڈم سنٹر، سلمان ٹاورز، آفس نمبر A-45، بالمقابل نادرا آفس، ملیر سٹی۔ رابطہ: آصف جلیل	بروز اتوار	11AM
	فون: 021-35421511، موبائل: 0333-2121992، محمود الحسن۔ فون: 021-35407331		
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ ڈاکٹر غلام صابر، فون: 081-2825736	بروز اتوار	4PM
گوجرانوالہ	شوکت نرسری، گل روڈ، سول لائنز۔ رابطہ چوہدری تسنیم شوکت، موبائل: 0345-6507011	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
لاہور	B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ، مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546	بروز اتوار	10AM
لاہور	قرآنک ریسرچ سنٹر متصل لاہور میڈیکل اینڈ ڈینٹل کالج، ہربنس پورہ۔ رابطہ: ہارون، 0322-4947258	بروز جمعہ	5:30PM
لاڑکانہ	برمکان اللہ بخش شیخ نزد قاسمیہ محلہ جاڑل شاہ، رابطہ سکندر علی عباسی، فون: 074-4042714	بروز جمعہ	بعد نماز مغرب
منڈی۔۔	رابطہ: خان محمد، (وڈیو کیسٹ) برمکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1، محلہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-520969	بروز جمعہ	10 AM
بہاؤالدین	موبائل نمبر: 0334-4907242		
نواں کلی، صوابی	رابطہ ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق، محلہ خدر خیل۔ فون نمبر:	بروز اتوار	10 AM
صوابی	بمقام چار باغ، (حجرہ ریاض الامین صاحب)، (رابطہ: انچارج یوٹیلیٹی سٹورز، مردان روڈ، صوابی)	بروز اتوار	3 P.M
	فون نمبرز: (0938)310262, 250102, 250092		

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی

انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خریدار حضرات خصوصی توجہ فرمائیں

جن خریدار حضرات کی زرِ شرکت ماہنامہ طلوع اسلام ختم ہو چکی ہے وہ برائے مہربانی جلد از جلد ادارہ کو ارسال فرمائیں۔ شکریہ